فائنل شرح عقائد ششماہی ثانی

مدرس::: سینئر مدرس، شیخ الحدیث، مفتی نوازش مدنی دامت برکاتہم العالیہ

محمد صائم عطاری

درجہ سابعہ

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

عرضِ کاتب !!!

اس فائل میں آپ کو کنز المدارس بورڈ کے نصاب میں شامل شرح عقائد ششماہی ثانی کا 80 فیصد نصاب سوالاجوابا مل جائے گا۔۔۔۔۔

اگر آپ مندرجہ ذیل کتب کے ہمارے لکھے نوٹس چاہتے ہیں تو نیچے دیئے گئے نمبر پہ رابطہ کریں۔۔۔۔۔

(1)شرح وقایہ((کتاب الجہاد))(2)حسامی((باب القیاس))(3)تیسیر مصطلح الحدیث(4)القصائد المنتخبہ(5) فقہ السیرہ(6)منہاج العابدین مکمل(7) تفسیر بیضاوی((ششماہی اول وثانی))(8)ہدایہ جلد اول ودوم(9)النور المبین مکمل(10)فتح المنان(11)مناظرہ رشیدیہ(12)اجابۃ الغوث(13)اصول الدعوہ والارشاد(14)الفقہ الاکبر مکمل(15)العربیہ للطالبین المستوی الرابع(16)شرح نخبۃ الفکر(17)ہدایہ جلد سوم وچہارم(18)میزان الادیان(19)شرح عقائد نسفیہ ششماہی اول(20)موطاامام مالک(21)شرح معانی الآثار(22)اصول وراثت (23)السراجی(24) تحقیق وتدوین کا طریقہ کار(25)موطاامام محمد(26)توضیح وتلویح

03238599095

محمد صائم عطاری

درجہ سابعہ

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

سوال ::: کلام کا دوسرا نام کیا ہے ؟؟؟

جواب ::: کلام ایک صفت ازلی ہے جسے نظم کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔۔

سوال ::: انسان اپنے مافی الضمیر کو کن کن ذرائع سے بیان کر سکتا ہے ؟؟؟

جواب ::: انسان اپنے مافی الضمیر کو الفاظ و عبارت، کتابت اور اشارے سے بیان کرتا ہے۔۔۔۔

سوال ::: کیا کلام اور علم ایک ہی چیز ہے ؟؟؟

جواب ::: کلام اور علم ایک ہی چیز نہیں ہے بلکہ دو الگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ بعض اوقات انسان کلام کرتے ہوئے کسی چیز کی خبر دیتا ہے لیکن اس کے بارے میں علم نہیں رکھتا۔۔۔۔

مثلا::: کسی نے کہا کہ زید پانی پی رہا ہے جبکہ وہ پانی نہیں پی رہا تھا اور کلام کرنے والا شخص اس کے بارے میں جانتا بھی نہیں تھا کہ وہ پانی نہیں پی رہا لیکن پھر بھی اس نے کلام کر دیا،، تو ثابت ہوا کلام اور علم الگ الگ چیزیں ہیں۔۔۔۔

سوال::: کیا کلام اور ارادہ ایک ہی شے ہے ؟؟؟

جواب::: جی نہیں کیونکہ انسان کبھی کبھی ایسی چیز کا حکم دیتا ہے جسے وہ نہیں چاہتا مثلا ایک شخص نے اپنے غلام کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا اس کے پیچھے اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ غلام وہ کام کرے بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ غلام بات نہیں مانے گا اور یوں اس کی نافرمانی ظاہر ہو گی۔۔۔۔

سوال::: کیا دل میں پائے جانے والے خیال کو کلام کہا جا سکتا ہے ؟؟؟

جواب::: جی ہاں دل میں پائے جانے والے خیال پہ کلام کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اس پہ کئی دلائل موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ""بے شک میں نے اپنے دل میں ایک مقالہ ((یعنی کلام)) تیار کیا""،، تو یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دل میں پائی جانے والی بات کو کلام کہہ دیا تو ثابت ہوا دل کے خیال کو کلام کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: کلام کے صفت باری تعالیٰ ہونے پہ کیا دلیل ہے ؟؟؟

جواب ::: اس پہ امت کا اجماع ہے اور انبیاء سے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ اللہ پاک متکلم ہے اور متکلم تبھی ہو گا جب کلام کرے گا بغیر کلام کے متکلم ہونا محال ہے۔۔۔۔

سوال::: اللہ پاک کی ذاتی صفات کتنی اور کون سی ہیں ؟؟؟

جواب::: اللہ پاک کی آٹھ ذاتی صفات ہیں:::

(1)علم (2)قدرت (3)حیات (4)سماعت (5)بصارت (6)ارادہ (7)تکوین (8)کلام

سوال::: ذات باری تعالیٰ کی صفات ""ارادہ، تکوین اور کلام ""کا پہلے ذکر ہو چکا تھا مصنف نے دوبارہ کیوں کیا؟؟؟

جواب::: کیونکہ ان تینوں صفات میں کثرت کے ساتھ کلام کیا گیا ہے لہذا انہیں مؤکد کرنے کے لیے تکرار کے ساتھ ذکر کیا۔۔۔

سوال::: مصنف یہ عبارت کیوں لائے ""وھو متکلم بکلام ھو صفۃ لہ ""؟؟؟

جواب::: مصنف نے اس عبارت کے ذریعے معتزلہ کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ متکلم تو ہے لیکن اس کا کلام اس کے ساتھ قائم نہیں ہے،، ان کا یہ دعویٰ بلکل غلط ہے کیونکہ مشتق کا اطلاق اسی پہ ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کا ماخذ اشتقاق قائم ہو پس جب اللہ کا متکلم ہونا ثابت ہو گیا تو ضروری طور پر کلام بھی اسی کے ساتھ قائم ہو گا۔۔۔

سوال::: اللہ کی صفت ""کلام"" قدیم ہے یا حادث؟؟؟

جواب::: یہ ازلی یعنی قدیم ہے کیونکہ حادث چیز اللہ پاک کی صفت نہیں بن سکتی۔۔۔

سوال::: کیا اللہ عزوجل کا کلام انسانی کلام کی طرح حروف اور اصوات سے مرکب ہے؟؟؟

جواب::: جی نہیں کیونکہ حروف اور اصوات حادث ہیں ان کا حدوث ان کے بعض کے ختم ہونے کے ساتھ مشروط ہے یعنی جب تک ایک لفظ ختم نہیں ہوتا تب تک دوسرے لفظ کا تلفظ نہیں کیا جاسکتا چونکہ ختم ہونا حادث کی نشانی ہے لہذا ثابت ہوا اصوات و حروف حادث ہیں اور اللہ کی صفت نہیں بن سکتے۔۔۔۔

سوال::: کرامیہ اور حنابلہ کا کلام باری تعالیٰ کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں کیا مؤقف ہے؟؟؟

جواب::: حنابلہ کے نزدیک کلام باری تعالیٰ حروف و اصوات سے مرکب ہے لیکن قدیم ہے جبکہ کرامیہ کے نزدیک اللہ پاک کا کلام حروف و اصوات سے مرکب ہے اور حادث ہے۔۔۔

سوال::: صفت کلام کن چیزوں کے منافی ہے؟؟؟

جواب::: یہ سکوت اور آفت کے منافی ہے۔۔۔

سوال::: سکوت اور آفت کی تعریف کریں۔۔۔

جواب::: کلام پہ قدرت کے باوجود اسے ترک کرنا سکوت کہلاتا ہے۔۔۔

کلام کرنے کے آلات کا موافق نہ ہونا آفت کہلاتا ہے مثلاً گونگا انسان بول نہیں سکتا کیونکہ اس کی زبان ساتھ نہیں دیتی۔۔۔

اعتراض::: کلام کی دو اقسام ہیں::: لفظی اور نفسی،، سکوت اور آفت والی بات کلام لفظی پہ صادق آتی ہے کیونکہ سکوت اور آفت کی وجہ سے تلفظ نہیں ہوتا پس یہ بات کلام لفظی کے اعتبار سے درست ہے نہ کہ کلام نفسی کے اعتبار سے جبکہ یہاں کلام نفسی کی بات ہو رہی ہے۔۔۔

جواب::: جس طرح کلام کی دو اقسام لفظی اور نفسی ہیں اسی طرح سکوت اور آفت کی بھی دو دو اقسام ہیں:::

سکوت ظاہری سکوت باطنی آفت ظاہری آفت باطنی

یہاں باطنی سکوت اور آفت مراد ہے جو کہ کلام نفسی کے مقابلے میں ہے باطنی سکوت یہ ہے کہ قدرت رکھتے ہوئے دل میں کچھ نہ سوچنا۔۔۔

پس ثابت ہوا یہاں سے باطنی سکوت اور آفت مراد ہے لہذا اعتراض باطل ہو گیا۔۔۔۔

اعتراض::: صفت کلام صرف ایک صفت نہیں ہے بلکہ اس کے عنوان سے مزید کئی صفات بن جاتی ہیں مثلاً امر، نہی، خبر وغیرہ ((یعنی امر کا کلام ایک الگ کلام ہے، نہی والا کلام ایک الگ کلام ہے، خبر والا کلام ایک الگ کلام ہے)) تو ثابت ہوا کہ صفتِ کلام صرف ایک صفت نہیں ہے بلکہ اس کی مزید آگے کئی صفات بن جاتی ہیں۔۔۔

جواب::: صفتِ کلام صرف ایک ہی صفت ہے معترض نے اس کی مزید آگے کئی صفات بنائی ہیں وہ در حقیقت صفات نہیں ہیں بلکہ وہ کلام کے مختلف طرح کے تعلقات ہیں،، مثلاً علم ایک ہی صفت ہے لیکن اگر اس کا تعلق نحو سے ہو تو علم نحو کہلاتا ہے اگر فقہ سے ہو تو علم فقہ کہلاتا ہے یعنی حقیقت میں علم ایک چیز ہے یہ کثرت محض تعلقات اور اضافت کی وجہ سے ہے بلکل اسی طرح صفتِ کلام در حقیقت ایک ہی صفت ہے اس میں کثرت تعلقات کی وجہ سے ہے جب کلام میں کسی چیز کا حکم دیا جائے گا تو وہ کلامِ امر ہو جائے گا جب کسی چیز سے منع کیا جائے گا تو کلامِ نہی ہو جائے گا،، پس ثابت ہوا صفت کلام در حقیقت ایک ہی ہے اس میں کثرت صرف تعلقات اور اضافت کی وجہ سے ہے۔۔۔۔

اعتراض::: امر، نہی، خبر وغیرہ یہ سب کلام کی اقسام ہیں ان کے بغیر کلام نہیں پایا جا سکتا پس ثابت ہوا کلام کو صفتِ واحد کہنا درست نہیں۔۔۔

جواب::: اس کے دو جوابات ہیں:::

(1) کلام کی یہ تقسیم محض تعلقات کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں،، اور یہ تقسیم ازل میں بلکل نہیں تھی لہذا اس پہ اعتراض نہیں ہو سکتا البتہ ازل کے بعد یہ تقسیم ہوئی لہذا ازل کے بعد والی صورت پہ یہ اعتراض کرنا درست ہے اور اس کا جواب ابھی ہم نے دیا کہ یہ تقسیم محض تعلقات کی بناء پہ ہے در حقیقت کلام صفتِ واحدہ ہی ہے ((یہ جواب ان متکلمین کے نزدیک ہے جو ازل میں کلام الٰہی کو امر، نہی وغیرہ کی طرف تقسیم نہیں کرتے بلکہ ازل کے بعد کرتے ہیں جبکہ جمہور کا مؤقف یہی ہے کہ کلام الٰہی ازل سے ہی امر و نھی کے ساتھ متصف تھا))۔۔۔

(2) دوسرا جواب امام رازی نے دیا کہ ازل میں تمام کا تمام کلام الٰہی خبر تھا یعنی امر میں اس چیز کی خبر دینا مقصود تھا کہ اس کام کو کرنے پہ ثواب ملے گا، نہی میں اس بات کی خبر دینا مقصود تھا کہ اس سے بچنے پہ ثواب ملے گا العرض کلام کی تمام اقسام ((یعنی امر، نہی، نداء وغیرہ)) کا مرجع صرف اور صرف خبر ہی تھا،، جب تمام اقسام کا مرجع صرف خبر ہونا ثابت ہو گیا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صفتِ کلام ایک ہی چیز ہے۔۔۔۔

سوال::: مذکورہ بالا اعتراض کے دوسرے جواب کا شارح کیا رد فرماتے ہیں؟؟؟

جواب::: شارح فرماتے ہیں کہ امر، نہی اور خبر ایک دوسرے کے متضاد ہیں،، خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے جبکہ امر و نہی میں یہ چیز نہیں پائی جاتی لہذا کلام کی تمام اقسام یعنی امر و نہی وغیرہ کا مرجع خبر کو قرار دینا درست نہیں کیونکہ یہ سب کلام کی اقسام ہیں اور قسیمیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں ایک نہیں ہو سکتیں۔۔۔۔۔

اعتراض::: یہ معتزلہ کی جانب سے اعتراض ہے کہ کلام امر و نہی پہ مشتمل ہوتا ہے اگر کلام الٰہی ازلی ہے تو پھر اللہ نے ازل میں حکم دیا ہو گا یا کسی کو منع کیا ہو گا جبکہ ازل میں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور امر و نہی کے لیے مخاطب کا ہونا ضروری ہے اس سے لازم آئے گا کہ اللہ پاک کا امر و نہی عبث تھا۔۔۔۔

جواب::: اس کے دو جوابات ہیں:::

(1) ازل میں کلام صفتِ واحدہ تھا اس وقت اس میں امر و نہی موجود نہیں تھا لہذا اعتراض نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

(2) اگر ازل میں اللہ پاک کے کلام میں امر و نہی موجود تھا تو اس کے لیے مخاطب کا خارج میں موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ حکم دینے والے کے ذہن میں اس کا وجود ذھنی ہونا ہی کافی ہے،، ازل میں امر سے مراد یہ تھا کہ جب مامور کا وجود خارج میں پایا جائے گا تب وہ اس امر کو بجا لائے گا مثلا وہ شخص جس کا کوئی بیٹا نہ ہو اور وہ اپنے ذہن اپنا بیٹا فرض کر لے کہ جب میرا بیٹا ہو گا میں اس کو یہ حکم دوں گا بلکل یہاں بھی یہی مراد ہے۔۔۔۔

اعتراض::: اللہ پاک نے قرآن پاک میں کئی واقعات کی خبر ماضی کے صیغے کے ساتھ دی ہے جبکہ ازل میں یہ واقعات ہوئے ہی نہیں تھے تو اس سے اللہ کے کلام کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔۔۔۔

جواب::: ازل کے اعتبار سے اللہ کا کلام کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں،، تینوں زمانوں کی نسبت اللہ پاک کی طرف مساوی ہے کیونکہ وہ زمانوں سے پاک ہے جس طرح اس کا علم زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتا اسی طرح اس کا کلام بھی نہیں بدلتا۔۔۔۔

سوال::: ماتن نے عبارت میں ""القرآن غیر مخلوق"" کی بجائے ""القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق"" کیوں کہا؟؟؟

جواب::: ہمارے ہاں قرآن اسے سمجھا جاتا ہے جو حروف واصوات سے مرکب ہوتا ہے اور کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہوتا ہے ماتن نے ""القرآن کلام اللہ غیر مخلوق"" کہا تاکہ ذہن کلام لفظی کے قدیم ہونے کی طرف نہ جائے کیونکہ وہ لفظی کلام حادث ہے یہاں جس کلام کی بات ہو رہی ہے وہ کلام نفسی ہے۔۔۔۔

بعض حنابلہ نے جہالت کی بناء پہ کلام لفظی کو بھی قدیم سمجھ لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔۔۔۔

سوال::: ماتن نے اپنی عبارت ""القرآن کلام اللہ غیر مخلوق"" میں ""غیر مخلوق"" کی جگہ ""غیر حادث"" کیوں نہیں کہا؟؟؟

جواب::: ماتن نے ایسا اس لیے کیا تاکہ پتا چل جائے کہ مخلوق اور حادث کا ایک ہی معنی ہے،، دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ""غیر مخلوق"" کے الفاظ تھے اس لیے ماتن نے حدیث کی موافقت کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے،، حدیث مبارکہ یوں ہے "" القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق ومن قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم""۔۔۔۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ معتزلہ اور اہلسنت کے درمیان اس بات کا اختلاف ہے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟؟؟ اس لیے ماتن نے غیر حادث کی بجائے غیر مخلوق استعمال کیا۔۔۔۔

سوال::: ہمارا اور معتزلہ کا کلام اللہ کے بارے میں اصل اختلاف کیا ہے؟؟؟

جواب::: ہمارا اور معتزلہ کا اصل اختلاف یہ ہے کہ ہم کلام نفسی کو ثابت کرتے ہیں اور وہ کلام نفسی کی نفی کرتے ہیں۔۔۔۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ کا صفت کلام کے ساتھ متصف ہونا انبیاء کے تواتر اور اجماع سے ثابت ہے پس جو چیز اللہ کے ساتھ متصف ہے وہ حادث نہیں ہو سکتی جبکہ کلام لفظی حادث ہے لہٰذا کلام نفسی کا وجود ماننا پڑے گا جو کہ قدیم ہے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کلام الہی کے مخلوق ہونے پہ کیا دلیل دیتے ہیں؟؟؟ نیز ہماری جانب سے اس دلیل کا رد بھی تحریر فرمائیں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کی دلیل::: قرآن ایسی صفات کے ساتھ متصف ہے جو مخلوق میں پائی جاتی ہیں مثلاً تالیف، تنظیم، انزال وتنزیل وغیرہ تو اس سے ثابت ہوا وہ مخلوق ہے۔۔۔۔

رد::: ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ دلیل حنابلہ کے خلاف بن سکتی ہے کیونکہ وہ کلام لفظی کو بھی قدیم مانتے ہیں جبکہ ہمارے خلاف یہ بات دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ الفاظ کو تو ہم بھی حادث کہتے ہیں ہم جس کلام کو غیر مخلوق کہتے ہیں وہ کلام نفسی ہے اور وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ نے اللہ کے متکلم ہونے کی کیا تاویل بیان کی ہے؟؟؟

جواب::: معتزلہ اللہ کے متکلم ہونے کی یہ تاویل بیان کرتے ہیں کہ اس نے اصوات اور حروف کو ان کے محل((یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا جبریل علیہ السلام کی زبان))میں پیدا کیا لیکن خود ان الفاظ کا تلفظ نہیں کیا یا ایسے نقوش پیدا کیے جو مخصوص الفاظ پہ دلالت کرتے ہیں لیکن خود ان کا تلفظ نہیں کیا۔۔۔۔

سوال::: ہماری جانب سے معتزلہ کی اللہ کے متکلم ہونے کے بارے میں تاویل کا کیا رد کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: ہم کہتے ہیں تمہاری یہ تاویل باطل ہے کیونکہ متحرک اسے کہتے ہیں جو حرکت کرتا ہو نہ کہ وہ جس نے حرکت ایجاد کی ہو،،پس اسی طرح اللہ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے وہ خود کلام کرتا ہے۔۔۔۔۔

اعتراض:::

((یہ معتزلہ کی جانب سے ہے))

اہلسنت اس بات پہ متفق ہیں کہ قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو مصحف میں دو گتوں کے درمیان تواتر کے ساتھ ہم تک نقل ہوتے ہوئے پہنچی،،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مصاحف میں لکھا ہوا ہے زبانوں سے اس کی تلاوت کی جاتی ہے کانوں کے ذریعے اسے سنا جاتا ہے اور یہ تمام چیزیں حدوث کی علامت ہیں لہذا ثابت ہوا قرآن اللہ کی مخلوق ہے اور حادث ہے۔۔۔۔۔

جواب::: اس کا جواب ہم پیچھے بھی دے چکے ہیں کہ ہم کلام نفسی کو غیر مخلوق مانتے ہیں جبکہ کلام نفسی پہ دلالت کرنے والے کلام لفظی کو ہم بھی حادث مانتے ہیں،،معتزلہ جس تعریف پہ اعتراض کر رہے ہیں وہ کلام لفظی کی ہے اور اس کے حادث ہونے پہ ہم بھی متفق ہیں ہم جس کلام کو غیر مخلوق مانتے ہیں وہ کلام نفسی ہے لہذا اعتراض لغو ہے کیونکہ دال((یعنی کلام لفظی))کے مکتوب، مسموع ہونے کی وجہ سے مدلول((یعنی کلام نفسی))کا مکتوب یا مسموع ہونا لازم نہیں آتا۔۔۔۔

مثلاً آگ ایک ایسا مادہ ہے جو جلانے والا ہے اس مادے پہ دلالت کرنے والا لفظ""النار""ہے اور یہ لفظ لکھا بھی جاتا ہے اور سنا بھی جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں نکلتا کہ اصل مادہ یعنی آگ کو بھی لکھا یا سنا جا سکتا ہے۔۔۔۔

سوال::: کسی شے کے کتنے وجود ہو سکتے ہیں اور ان کا قرآن پہ اطلاق کیسے ہو گا؟؟؟

جواب::: کسی شے کے چار وجود ہو سکتے ہیں:::

(1)وجود فی الاعیان (2)وجود فی الاذھان (3)وجود فی العبارہ (4)وجود فی الکتابہ

کتابت اس وجود پہ دلالت کرتی ہے جو عبارت میں ہے،،عبارت اس وجود پہ دلالت کرتی ہے جو ذھن میں ہے اور ذھن اس وجود پہ دلالت کرتا ہے جو اعیان یعنی خارج میں ہے۔۔۔۔

پس جب قرآن کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا جائے گا جو قدیم ہیں تو وہاں سے مراد قرآن کا وجود خارجی ہوگا ((یعنی کلام نفسی))اور جب قرآن کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا جائے جو مخلوقات میں پائی جاتی ہیں مثلا یوں کہا جائے ""میں نے آدھا قرآن لکھ لیا،، میں نے آدھا قرآن حفظ کر لیا یا یوں کہا جائے کہ محدث کے لیے قرآن کو چھونا حرام ہے ""((یہ سب یعنی یاد کرنا، لکھنا وغیرہ وہ صفات ہیں جو مخلوق میں پائی جاتی ہیں تو ایسی صورت میں)) آخری تین وجود مراد ہوں گے ((یعنی کلام لفظی))۔۔۔۔

اعتراض::: اگر قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پہ ہوتا تو آئمہ کرام قرآن کی ایسی تعریف نہ کرتے جو صرف کلام لفظی پہ صادق آتی ہے لہذا ثابت ہوا کلام نفسی کا وجود نہیں ہے۔۔۔۔

جواب::: آئمہ کرام کے نزدیک قرآن الفاظ ((یعنی کلام لفظی)) اور معانی ((یعنی کلام نفسی)) دونوں کے مجموعے کا نام ہے،، انہوں نے قرآن کی وہ تعریف جو صرف کلام لفظی پہ صادق آتی ہے اس لیے کی کیونکہ ان کا مقصد مسائل کا استنباط کرنا ہے اور یہ مقصد کلام لفظی سے پورا ہوتا ہے لہذا انہوں نے ایسی تعریف کی ورنہ وہ بھی کلام لفظی اور نفسی دونوں کو مانتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: کیا کلام نفسی کو سننا ممکن ہے ؟؟؟

جواب::: اس میں متکلمین کا اختلاف ہے:::

اشاعرہ کا مؤقف::: کلام نفسی کو سننا ممکن ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے :::

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو حتّٰی کہ وہ اللہ کا کلام سنے

دوسری دلیل یہ ہے کہ موسی علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا۔۔۔

ماتریدیہ کا مؤقف:::

ماتریدیہ کے نزدیک کلام نفسی کو سننا ممکن نہیں اور جو دلائل اشاعرہ نے کلام نفسی کو سننے پہ دیئے ہیں وہاں ان الفاظ کو سننا مراد ہے جو کلام نفسی پہ دلالت کریں ((یعنی ان آیات میں کلام لفظی کو سننا مراد ہے))۔۔۔۔

اعتراض::: یہ ماتریدیہ پہ اعتراض ہے کہ کلام لفظی تو ہم بھی سنتے ہیں لیکن اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کلام سنا تھا تو ان کو کلیم اللہ کہہ کر ممتاز کیوں کیا گیا؟؟؟ پھر تو سب کو کلیم اللہ کہنا چاہیے۔۔۔۔

جواب::: ہم کلام اللہ کو کتاب کے واسطے سے سنتے ہیں اور بقیہ انبیاء نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے سنا ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے کلام الہی کو بلاواسطہ سنا ہے اس لیے انہیں ممتاز کر کے کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔۔۔

اعتراض::: پیچھے ہماری جتنی بھی بحث ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام اللہ حقیقتاً کلام نفسی ہے اور کلام لفظی پہ کلام اللہ کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اور اگر کسی چیز پہ مجازا کسی کا اطلاق کیا جائے تو اس سے اس کی نفی کرنا درست ہے مثلا مجازا زید کو شیر کہا گیا تو زید سے شیر ہونے کی نفی بھی کی جا سکتی ہے اسی طرح کلام لفظی کو مجازا اللہ کا کلام کہا گیا تو اس سے کلام اللہ ہونے کی نفی کرنا بھی درست ہو گا جبکہ یہ بات بلکل درست نہیں ((کہ یوں کہا جائے کلام لفظی اللہ کا کلام نہیں))۔۔۔۔

اسی طرح ایک دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کفار کو کلام لفظی کے ذریعے چیلنج کیا گیا نہ کہ کلام نفسی کے ذریعے کیونکہ کلام نفسی کے ذریعے چیلنج کرنا ممکن نہیں تھا تو ثابت ہوا کلام نفسی کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ کلام لفظی ہی حقیقتا کلام اللہ ہے۔۔۔۔

جواب::: یہ دونوں اعتراضات تب ہوتے جب ہم یہ کہتے کہ کلام نفسی حقیقتا اللہ کا کلام ہے اور کلام لفظی مجازاً اللہ کا کلام ہے،، ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ ""کلام نفسی اور لفظی"" دونوں میں مشترک ہے پس کلام نفسی اور لفظی دونوں حقیقتا اللہ کا کلام ہیں لہذا اعتراضات باطل ہیں۔۔۔۔

سوال::: ""و معنی الاضافۃ کونہ صفۃ لہ تعالیٰ"" اس عبارت کی وضاحت کریں۔۔۔۔

جواب::: یہاں سے شارح ایک فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کلام الہی سے مراد کلام نفسی ہو گا تو اس کی اضافت اللہ کی طرف اس کی صفت کے طور پر ہو گی کہ کلام نفسی اللہ کی صفت ہے اور جب کلام لفظی مراد ہو گا تو اس کی اضافت ذات باری تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کے طور پر ہو گی کہ کلام الہی اللہ کی مخلوق ہے لیکن مخلوق کی تالیفات کی طرح نہیں ہے۔۔۔۔

اعتراض::: بعض مشائخ نے کلام لفظی کو مجازا اللہ کا کلام کہا ہے تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کلام اللہ ""کلام نفسی اور لفظی"" دونوں میں مشترک ہے؟؟؟

جواب::: مشائخ نے کلام لفظی پہ مجاز کا اطلاق کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام الہی بلاواسطہ کلام نفسی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور کلام لفظی کے لیے بالواسطہ وضع کیا گیا ہے تاکہ کلام نفسی سمجھ آئے یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ کلام الہی کلام لفظی کے لیے وضع ہی نہیں ہوا۔۔۔۔

سوال::: صاحب مواقف مشائخ کی عبارت ""کلام اللہ تعالیٰ معنی قدیم"" کا کیا جواب دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: جواب سے پہلے ایک بات سمجھ لیں کہ جب معنی کا اطلاق لفظ کے مقابلے میں ہو گا اس وقت لفظ کا مفہوم مراد ہو گا اور اس صورت میں کلام نفسی پہ حقیقت کا اور کلام لفظی پہ مجاز کا اطلاق ہو گا،، کبھی معنی کا اطلاق عین کے مقابلے میں ہو گا تو اس وقت معنی سے مراد قائم بالغیر ہو گا اور کلام نفسی و لفظی دونوں پہ حقیقت کا اطلاق ہو گا۔۔۔

صاحب مواقف فرماتے ہیں کہ مشائخ کی عبارت میں معنی سے مراد وہ معنی ہے جو عین کے مقابلے میں ہوتا ہے نہ کہ وہ معنی جو لفظ کے مقابلے میں ہوتا ہے،، جب وہ معنی مراد لے لیا گیا جو عین کے مقابلے میں ہوتا ہے اور وہ قائم بالغیر ہوتا ہے تو کلام نفسی اور لفظی کا بھی ذات باری تعالیٰ کی بقیہ صفات کی طرح قائم بالغیر ہونا لازم آئے گا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام نفسی اور لفظی دونوں قدیم ہیں((جمہور کا مؤقف یہی کہ کلام لفظی حادث ہے جبکہ صاحب مواقف کا اپنا ایک الگ نظریہ ہے))۔۔۔۔۔

سوال::: ذات باری تعالیٰ کی صفت "" تکوین"" کو کس چیز سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز اس کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: اس کو فعل، خلق، تخلیق، ایجاد، احداث اور اختراع کے ذریعے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔

اس کا مطلب ہے ""معدوم کو عدم سے وجود کی طرف لانا""۔۔۔۔

سوال::: تکوین اللہ پاک کی صفت ہے اس کے ثبوت پہ دلیل پیش کریں۔۔۔۔

جواب::: عقل و نقل کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ کائنات کا خالق اور مکوّن اللہ پاک ہے،، قاعدہ ہے کہ کسی شے پہ اسم مشتق کا اطلاق ماخذ اشتقاق کے بغیر نہیں ہو سکتا تو جب اللہ کا خالق و مکون ہونا ثابت ہو گیا تو خلق و تکوین کا خود بخود ذات باری تعالیٰ کی صفت ہونا بھی ثابت ہو گیا۔۔۔۔

سوال::: صفتِ تکوین کے ازلی ہونے پہ دلائل پیش کریں۔۔۔۔

جواب::: اس پہ چار دلائل ہیں:::

(1) تکوین چونکہ اللہ پاک کی صفت ہے اور اللہ پاک قدیم ہے اگر تکوین کو حادث مانیں گے تو صفت باری تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں لہذا تکوین قدیم ہے۔۔۔۔

(2) اللہ عزوجل نے خود اپنے لیے صفت خلق کو بیان کیا پس اگر وہ ازل سے خالق نہ ہو تو اس کا کاذب ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔۔۔۔

(3) اگر صفت تکوین کو حادث مانا جائے تو اس کے لیے ایک اور تکوین کی ضرورت ہو گی اور پھر اس کے لیے مزید تکوین کی ضرورت ہو گی یوں تسلسل لازم آئے گا جو کہ محال ہے لہذا تکوین کو قدیم ماننا پڑے گا۔۔۔۔

(4) اگر تکوین کو حادث مانا جائے تو دو صورتیں ہیں:::

یا تو یہ ذات باری میں تعالیٰ میں پائی جائے گی یا اس کے غیر میں،، ذات باری تعالیٰ میں حادث بن کر نہیں پائی جا سکتی کیونکہ وہ قدیم ہے اور غیر اللہ میں اگر پائی جائے تو غیر اللہ کا خالق و مکون ہونا لازم آئے جبکہ دونوں صورتیں باطل ہیں لہذا تکوین کو قدیم ماننا پڑے گا۔۔۔۔

سوال::: مذکورہ بالا سوال تکوین کے قدیم ہونے پہ دیئے گئے دلائل کے حوالے سے اشاعرہ کا کیا مؤقف ہے ؟؟؟

جواب::: جواب سے پہلے ایک بات سمجھ لیں کہ شرح عقائد کے ماتن ماتریدی ہیں جبکہ شارح اشعری ہیں،،ماتریدیہ کے نزدیک تکوین اللہ کی ذاتی صفت ہے جبکہ اشاعرہ اسے صفت نہیں مانتے بلکہ ایک امر اضافی مانتے ہیں۔۔۔۔

مذکورہ بالا سوال میں تکوین کے قدیم ہونے پہ دیئے گئے دلائل کے حوالے سے شارح فرماتے ہیں کہ یہ تمام دلائل اس چیز پہ مبنی ہیں کہ جس طرح علم اور قدرت اللہ پاک کی ذاتی صفات ہیں اسی طرح تکوین بھی اللہ کی ذاتی صفت ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک یہ امور اضافیہ اور اعتبارات عقلیہ میں سے ہے جیسے کسی چیز کو بنانے سے صانع کا پایا جانا اسی طرح تکوین بھی ایک امر اضافی ہے۔۔۔۔

الغرض یہ کہ تکوین کے قدیم ہونے پہ ماتریدیہ کی جانب سے دیئے گئے دلائل کو اشاعرہ تسلیم نہیں کرتے اور تکوین کو ایک امر اضافی مانتے ہیں۔۔۔۔

اعتراض::: اللہ پاک کی صفت تکوین حادث ہے کیونکہ تکوین ""مکوَّن"" کے بغیر نہیں پائی جاسکتی،،اگر تکوین کو قدیم مانیں گے تو ساری مخلوق کو قدیم ماننا لازم آئے گا۔۔۔۔

جواب::: تکوین کا عالم کے ساتھ تعلق ازل سے نہیں ہے بلکہ جب سے عالم وجود میں آیا تب سے اس کا تعلق عالم کے ساتھ ہے اور ضروری نہیں کہ صفت کا قدیم ہونا اس کے متعلقات کو بھی قدیم کرے جیسا کہ علم اور قدرت قدیم ہیں لیکن ان کے متعلقات مثلا معلومات، مقدورات وغیرہ سب حادث ہیں۔۔۔

سوال::: تکوین ""مکوَّن"" کا عین ہے یا غیر ؟؟؟

جواب::: ماتریدیہ کے نزدیک تکوین مکون کا غیر ہے،،اس پہ شارح نے کئی دلائل ذکر کیے ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں:::

(1) تکوین فعل ہے اور مکون مفعول ہے،، فعل مفعول کا غیر ہوتا ہے تو ثابت ہوا تکوین مکون کا غیر ہے۔۔۔۔

(2) اگر تکوین مکون کا عین ہو تو مکون کا صانع کے بغیر وجود پانا لازم آئے گا۔۔۔۔

سوال::: جو لوگ تکوین کو مکون کا عین مانتے ہیں شارح نے ان کی کیا توجیہ بیان کی ہے ؟؟؟

جواب::: یہ اشاعرہ کا مؤقف ہے چونکہ شارح بھی اشعری ہیں اس لیے وہ اس قول کی توجیہ پیش کرتے ہیں کہ جب کوئی فاعل فعل سرانجام دیتا ہے تو خارج میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں:::

فاعل اور مفعول

فعل ایک امر اضافی ہے اس لیے وہ خارج میں نہیں پایا جاتا مثلاً ضرب ایک فعل ہے لیکن خارج میں ضارب اور مضروب کا وجود ہے نہ کہ ضرب کا،، اسی طرح تکوین ایک خارجی امر ہے جو کہ مکوِّن اور مکوَّن کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے اشاعرہ نے تکوین کو ""مکوَّن"" کا عین قرار دیا۔۔۔۔

سوال::: اللہ پاک کی صفتِ مشیت کا تفصیل سے پیچھے ذکر گزر چکا اب ارادہ والی صفت کو ذکر کرنے کا کیا مقصد تھا؟؟؟

جواب::: تاکید کے لیے اس کا دوبارہ ذکر کیا جارہا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں مختلف فرقوں کے باطل نظریات ہیں تو ان کا رد کرنا بھی مقصود ہے۔۔۔۔

اللہ پاک کی صفت ارادہ اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ کون سا کام کس وقت میں ہونا ہے اور کس وقت نہیں۔۔۔۔

سوال::: فلاسفہ، نجاریہ، بعض معتزلہ اور کرامیہ اللہ پاک کی صفت ارادہ کے بارے میں کیا نظریات رکھتے ہیں؟؟؟

جواب::: فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ پاک موجب بالذات ہے فاعل بالاختیار نہیں ہے یعنی اللہ پاک سے اشیاء کا صدور بغیر ارادہ کے ہو رہا ہے۔۔۔۔

نجاریہ کہتے ہیں کہ ارادہ ہی ذات باری تعالیٰ ہے الگ سے کوئی صفت نہیں ہے۔۔۔۔

بعض معتزلہ کہتے ہیں کہ ارادہ اللہ پاک کی صفت ہے لیکن حادث ہے۔۔۔۔

کرامیہ کہتے ہیں کہ ارادہ اللہ پاک کی صفت ہے اور حادث ہے اور یہ حدوث ذات باری تعالیٰ میں پایا جاتا ہے۔۔۔۔

سوال::: ارادہ اللہ پاک کی صفت ہے اس پہ دلائل دیں۔۔۔۔

جواب:::

نقلی دلیل::: اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ

ترجمہ کنز العرفان::: بیشک تمہارا رب جو چاہتا ہے وہی کرنے والا ہے۔۔۔۔

عقلی دلیل::: کائنات کا منظم نظام اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ کوئی نہ کوئی صانع موجود ہے جس کے ارادے سے یہ سب کچھ چل رہا ہے۔۔۔

سوال::: رؤیت کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: آنکھ کے ذریعے کسی چیز کا انکشاف تام حاصل ہونا رؤیت کہلاتا ہے۔۔۔۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو حس بصر کے ذریعے اس طرح ثابت کرنا یا اس کا اس طرح ادراک کرنا جس طرح وہ نفس الامر میں موجود ہے۔۔۔

سوال::: انکشاف تام کی مثال بیان کریں۔۔۔

جواب::: جب ہم چاند کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتے ہیں تو دونوں صورتوں میں ((یعنی چاند کو دیکھتے وقت اور دیکھ کر آنکھیں بند کرتے وقت))چاند منکشف رہتا ہے لیکن چاند کو دیکھتے وقت جو انکشاف حاصل ہوتا ہے وہ انکشاف تام ہوتا ہے۔۔۔

سوال::: رؤیت باری تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟؟؟

جواب ::: آنکھ کے ذریعے اللہ پاک کو دیکھنا عقلا جائز یعنی ممکن ہے۔۔۔

سوال::: رؤیت باری تعالیٰ کے عقلا ممکن ہونے سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: عقلا ممکن ہونے سے مراد ہے کہ اگر عقل کو بلکل خالی چھوڑ دیا جائے تو جب تک رؤیت باری تعالیٰ کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے تب تک وہ اس کے ممتنع ہونے کا حکم نہیں لگائے گی لہذا جو شخص رؤیت کے ناممکن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پہ لازم ہے کہ وہ اس پہ دلیل قائم کرے جب تک رؤیت کے خلاف دلیل قائم نہ ہو تب تک عقل رؤیت کو درست سمجھے گی اور یہی عقلا ممکن ہونے کا مطلب ہے۔۔۔

سوال::: اہل حق نے رؤیت باری تعالیٰ کے ثبوت پہ کتنے وجوہ سے دلائل دیئے ہیں؟؟؟

جواب::: اہل حق دو وجوہ سے دلائل دیتے ہیں::: (1)عقلی (2)نقلی

سوال::: رؤیت باری تعالیٰ کو دلیل عقلی سے ثابت کریں۔۔۔

جواب ::: ہم اجسام اور اعراض کو آنکھوں کے ذریعے دیکھ کر ان میں فرق کرتے ہیں کہ کون سا جسم بڑا ہے کون سا چھوٹا؟؟؟اسی طرح اعراض کی کیفیات میں بھی ہم آنکھ کے ذریعے دیکھ کر فرق کرتے ہیں،، یہاں ان تمام چیزوں میں ایک حکم مشترک پایا جارہا ہے اور وہ""رؤیت""ہے اور حکم مشترک کے لیے""علت مشترکہ""کا پایا جانا ضروری ہے اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علت مشترکہ کس چیز کو بنایا جائے؟؟؟ تین چیزیں علت بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں :::

(1)حدوث (2)امکان (3)وجود

ان تینوں میں سے حدوث اور امکان علت نہیں بن سکتے کیونکہ حادث اسے کہتے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے اور وجود و عدم کا ضروری نہ ہونا امکان کہلاتا ہے،، پس ثابت ہوا کہ امکان و حدوث دونوں عدمی ہیں اور عدمی چیز علت نہیں بن سکتی پس وجود کا علت مشترکہ ہونا متعین ہو گیا اور وجود""صانع اور مخلوق""دونوں میں مشترک ہے یعنی صانع کا بھی وجود ہے اور مخلوق کا بھی وجود ہے،، جس طرح مخلوق کے وجود کی وجہ سے اسے دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح اللہ کے وجود ہونے کی وجہ سے اسے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ کے مطابق کسی چیز کو دیکھنے کی علت اس کا وجود ہے مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے دیکھنے کی اور بھی شرائط ہوں مثلا اس چیز کا کسی جہت یا روشنی میں ہونا وغیرہ جبکہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے تو پھر اسے کیسے دیکھا جا سکتا ہے ؟؟؟

جواب::: رؤیت باری تعالیٰ کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی خواہ یہ شرط ممکن کے خواص میں سے ہوں جیسا کہ اعتراض میں بیان ہوئیں یا واجب کے خواص میں سے کوئی چیز مانع ہو یعنی صفات واجب میں سے کسی صفت کو رؤیت سے مانع مان لیا جائے جب یہ شرائط موجود ہی نہیں تو اللہ پاک کو دیکھنا بھی محال نہیں۔۔۔

اعتراض::: اگر کسی چیز کو دیکھنے کے لیے صرف اس کا وجود ہونا شرط ہے تو آوازیں اور ذائقے وغیرہ کیوں نظر نہیں آتے ؟؟؟

جواب::: ان کی رؤیت بھی ممکن ہے لیکن یہ چیزیں نظر نہیں آتیں کیونکہ اللہ پاک نے انسان کو یہ صلاحیت ہی نہیں دی کہ ان کو دیکھ سکے اگر یہ صلاحیت انسان میں موجود ہوتی تو ضرور وہ ان چیزوں کو دیکھ لیتا۔۔۔۔

سوال ::: عبارت """حین اعترض""" سے شارح کیا بیان کرنا چاہ رہے ہیں ؟؟؟

جواب::: شارح یہاں سے معتزلہ کے چار اعتراضات اور ان کے جوابات بیان کرنا چاہ رہے ہیں :::

پہلا اعتراض::: آپ نے کہا کہ صحتِ رؤیت کی علت وجود ہے جبکہ صحتِ رؤیت تو علت کا تقاضا ہی نہیں کرتا کیونکہ صحت ایک عدمی چیز ہے اور عدمی کے لیے علت نہیں ہوتی تو پھر رؤیت باری تعالیٰ کیسے درست ہو گی ؟؟؟

دوسرا اعتراض::: چلیں ہم مان لیتے ہیں کہ عدمی چیز علت کا تقاضا کرتی ہے لیکن آپ نے وجود کو علت بنایا ہے جو کہ درست نہیں کیونکہ صحتِ رؤیت """واحد نوعی""" ہے اور واحد نوعی کی صرف ایک علت نہیں ہوتی بلکہ مختلف علتیں ہوتی ہیں مثلا حرارت کی علت سورج بھی ہے اور آگ بھی تو صرف وجود کو علت بنانا درست نہیں۔۔۔۔

تیسرا اعتراض ::: چلیں ہم مان لیتے ہیں کہ صحتِ رؤیت کی مختلف علتیں نہیں ہوتیں بلکہ ایک ہی علت ہوتی ہے لیکن وہ علت وجود نہیں ہے بلکہ حدوث یا امکان کو علت بننا چاہیے کیونکہ صحتِ رؤیت عدمی ہے اور عدمی کے لیے عدمی چیز کو علت بنایا جاتا ہے۔۔۔

چوتھا اعتراض::: ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ صحتِ رؤیت کی علت وجود ہے لیکن اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ وجود مشترک ہے کیونکہ ہر چیز کا اپنا وجود ہوتا ہے جو اس کی ذات کا عین ہوتا ہے پس ممکنات کا وجود ممکنات کا عین ہو گا واجب کا وجود واجب کا عین ہو گا یعنی ہم وجود مشترک کو تسلیم نہیں کرتے،، پس رؤیت باری تعالیٰ کیسے درست ہو گی ؟؟؟

سوال::: مذکورہ بالا سوال میں دیئے گئے اعتراضات کا جواب نقل کریں۔۔۔

جواب::: پہلے اور تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علت سے ہماری مراد وہ علت ہے جو رؤیت کو قبول کرنے والی ہو اور اس کا متعلق ہو،، رؤیت کا متعلق مرئی ہوتا ہے ((یعنی جسے دیکھا جاسکے)) اور مرئی وجود ہی ہوتا ہے عدمی چیز مرئی نہیں بن سکتی کیونکہ اسے نہیں دیکھا جاسکتا تو اس سے ثابت ہوا رؤیت کی علت وجود ہے۔۔۔۔۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے قابل رؤیت ہونے میں اعراض وجواہر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا کیونکہ اگر اعراض وجواہر کا عمل دخل مانا جائے تو پھر ہر قابلِ رؤیت چیز کا عرض یا جوہر ہونا لازم آئے گا حالانکہ ہر قابلِ رؤیت چیز جوہر یا عرض نہیں ہوتی اسی لیے دور سے جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں پتا نہیں چلتا کہ یہ انسان ہے یا حیوان؟؟؟بس اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ وہاں کوئی چیز موجود ہے اور یہ چیز ہویت کہلاتی ہے اسی ہویت کو وجود کہتے ہیں اور یہ وجود علت مشترکہ ہے جو رؤیت کی علت ہے پس دوسرا اعتراض ختم ہوا کہ واحد نوعی کی مختلف علتیں ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ رؤیت کی علت وجود ہے تو وجود کا مشترک ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وجود مشترک نہیں ہوتا لیکن یہ چوتھے اعتراض کا جواب کمزور ہے۔۔۔۔

سوال::: رؤیت باری تعالیٰ پہ نقلی دلیل ذکر کریں۔۔۔۔

جواب::: مصنف نے دو دلائل ذکر کیے ہیں:::

(1) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے سوال کیا"" رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ""

ترجمہ کنزالعرفان::: اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا دیدار کرلوں۔۔۔۔

اگر رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں تو یہاں دو صورتیں بنیں گی یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتا تھا کہ رؤیت ممکن نہیں یا معلوم نہیں تھا،، اگر معلوم نہیں تھا تو ان کا یہ سوال معاذ اللہ جہالت پہ مبنی ہے کہ ایک نبی کو اتنا بھی نہیں پتا کہ کون سی چیز اللہ کی ذات کے بارے میں ممکن ہے اور کون سی ناممکن؟؟؟ اگر آپ علیہ السلام کو ناممکن ہونے کا علم تھا تو پھر آپ کا سوال کرنا فضول اور بیوقوفی تھا کہ آپ ایک محال چیز کو طلب کر رہے تھے جبکہ انبیاء ان تمام چیزوں یعنی جہالت، بیوقوفی اور فضولیات سے پاک ہوتے ہیں،، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کو دیکھنے کا سوال کرنا اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ کو دیکھنا ممکن ہے۔۔۔۔۔

(2) اللہ عزوجل نے اپنی رؤیت کو استقرار جبل کے ساتھ معلق کیا اور استقرار جبل فی نفسہ ایک ممکن امر ہے اور جس چیز کو ممکن کے ساتھ معلق کیا جائے وہ چیز بھی ممکن ہوتی ہے لہذا ثابت ہوا رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے۔۔۔۔

اعتراض::: یہ معتزلہ کی جانب سے پچھلے سوال میں ذکر کیے گئے دلائل پہ اعتراض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کو دیکھنے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے اللہ کو دیکھنا ممکن ہے لیکن ان کی قوم اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کر رہی تھی تو اپنی قوم کی وجہ سے آپ نے یہ مطالبہ کیا تاکہ قوم کو بھی پتا چل جائے کہ اللہ کو دیکھنا ممکن ہے۔۔۔۔

جواب::: یہ بات خلاف ظاہر ہے اگر آپ علیہ السلام نے قوم کے لیے یہ مطالبہ کیا تھا تو آپ متکلم کے صیغے سے گفتگو نہ کرتے ""رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ"" بلکہ آپ فرماتے ""رب ارھم"" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کی اضافت اپنی طرف کی اس سے ثابت ہوا وہ خود دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یا تو مومن تھی یا کافر،، اگر مومن تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فقط اتنا کہہ دیتے کہ رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں یہی بات ان کے لیے کافی تھی اور اگر وہ قوم کافر تھی تو انہوں نے اللہ کو دیکھنے کے باوجود تصدیق نہیں کرنی تھی لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا عبث تھا۔۔۔

اعتراض::: اللہ پاک نے اپنی رؤیت کو استقرار جبل کے ساتھ معلق کیا اور استقرار سے مراد حالت حرکت میں استقرار ہے اور یہ بات محال ہے کہ ایک چیز حرکت بھی کر رہی ہو اور حالت استقرار میں بھی ہو،، تو چونکہ یہ صورت محال ہے اور اللہ نے رؤیت کو اس کے ساتھ معلق کر کے بتادیا کہ رؤیت بھی محال ہے کیونکہ محال کے ساتھ معلق ہونے والی چیز بھی محال ہو جاتی ہے۔۔۔

جواب::: آیت میں مطلقاً استقرار مراد ہے حالت حرکت کے ساتھ اس کو مقید نہیں کیا گیا اگر حرکت کے دوران استقرار مراد لیا جائے تو یہ بھی محال نہیں کہ حرکت کی جگہ استقرار آجائے جب استقرار آجائے گا تو حرکت خود بخود ختم ہو جائے گی اور یہ ممکن ہے تو ثابت ہوا رؤیت باری تعالیٰ جو استقرار کے ساتھ معلق ہے وہ بھی ممکن ہے۔۔۔۔

سوال::: کیا آخرت میں مومنین کو اللہ پاک کا دیدار ہو گا???

جواب::: جی ہاں اس پہ قرآن و حدیث شاہد ہیں۔۔۔

قرآن کریم میں اللہ پاک کا فرمان ہے::: وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ (22) اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (23)

ترجمہ کنزالعرفان ::: کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔۔۔

حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "" بے شک تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو""۔۔۔۔

یہ حدیث مشہور ہے اسے اکیس اکابر صحابہ نے روایت کیا ہے۔۔۔

قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ امت کا اس بات پہ اجماع بھی ہے کہ آخرت میں اللہ پاک کا دیدار ہو گا۔۔۔

اعتراض::: رؤیت کے لیے کئی شرائط ہیں کہ جسے دیکھنا ہے وہ چیز مرئی ہو، کسی مکان اور جہت میں ہو، دیکھنے والے کے سامنے ہو، دونوں کے درمیان مسافت ہو،، اس طرح کی اور بھی شرائط ہیں جبکہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے تو پھر اسے دیکھنا کیسے ممکن ہے؟؟

جواب::: اللہ پاک کی رؤیت میں ہم یہ شرائط تسلیم نہیں کرتے کیونکہ جس طرح اللہ ان شرائط کے ساتھ رؤیت پہ قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پہ بھی قادر ہے کہ ان شرائط کے بغیر اپنی رؤیت کروائے اور وہ جہت، مکان، مسافت وغیرہ سے پاک ہے تو ان چیزوں کا اطلاق اس پہ نہیں ہوگا،، یہ جتنی بھی شرائط ذکر کی گئیں یہ دنیا میں ہمارے لیے ہیں آخرت میں ان شرائط کی ضرورت نہیں ہوگی پس آخرت میں ہونے والی رؤیت کو دنیا کی رؤیت پہ قیاس کرنا""قیاس الغائب علی الشاھد""کی قبیل سے ہے جو کہ درست نہیں۔۔۔۔

سوال::: عبارت""وقد یستدل علی عدم الاشتراط""کی وضاحت کریں۔۔۔۔

جواب::: پچھلے سوال میں رؤیت کی شرائط کے ذریعے کیے گئے اعتراض کا بعض لوگوں نے جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل ان شرائط کے بغیر ہمیں دیکھ رہا ہے بلکل اسی طرح ہم اللہ کو بھی دیکھ لیں گے یہاں سے شارح اس جواب کا رد کر رہے ہیں کہ ہم اس رؤیت کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو حاسہ بصر کے ذریعے ہو جبکہ اللہ پاک ہمیں حاسہ بصر کے ذریعے نہیں دیکھتا کیونکہ وہ حواس سے پاک ہے لہذا یہ جواب درست نہیں۔۔۔۔

اعتراض::: اگر ذات باری تعالٰی کی رؤیت ممکن ہوتی تو پھر حاسہ بصر کے صحیح سالم ہونے اور رؤیت کی شرائط کے پائے جانے کے وقت اس کو دیکھ لیا جاتا جبکہ اللہ ہمیں نظر نہیں آتا،، اگر آپ کہیں کہ شرائط کے پائے جانے کے باوجود بھی کسی چیز کو نہیں دیکھا جا سکتا تو پھر یہ بات ممکن ہونی چاہیے کہ ہمارے سامنے بلند پہاڑ ہو اور ہم اسے نہ دیکھ سکیں جبکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

جواب::: رؤیت کے لیے رؤیت کی شرائط کا پایا جانا ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ کسی کی رؤیت خلق خدا کا نتیجہ ہے اگر اللہ پاک نہ چاہے تو ہم شرائط کے پائے جانے کے وقت بھی اسے نہ دیکھ سکیں پس ثابت ہوا کہ رؤیت کی شرائط کا پایا جانا رؤیت کو لازم نہیں کرتا۔۔۔۔۔

اعتراض::: اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا::: لَاتُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫-وَھُوَیُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ-

ترجمہ کنزالعرفان::: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔۔۔۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں۔۔۔۔

جواب::: اس کے کئی جوابات ہیں:::

(1)اس آیت میں ادراک سے مطلق رؤیت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی رؤیت مراد ہے کہ جو مرئی کی تمام حدود اور اطراف کا احاطہ کرلے تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی آنکھ ذات باری تعالٰی کی حدود و جوانب کا احاطہ نہیں کرسکتی کیونکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے اس سے تو ہمارا اپنا مؤقف ثابت ہو رہا ہے۔۔۔۔۔

(2) آیت مبارکہ میں اس بات کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ یہ رؤیت تمام اوقات کو شامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض اوقات کو شامل ہے اور بعض اوقات کو شامل نہیں یعنی دنیا میں رؤیت ممکن نہیں آخرت میں ہوگی۔۔۔

(3)اس آیت سے تو ذات باری تعالٰی کی رؤیت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ اس آیت میں رؤیت کی نفی مقام مدح میں کی گئی ہے کہ اللہ پاک ایسی ذات ہے جسے دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا،، اگر ذات باری تعالٰی کو دیکھنا بلکل محال ہوتا تو یہاں سے مدح حاصل نہ ہوتی کیونکہ وہ شے جو دکھائی نہ دے اس کی کوئی مدح نہیں ہوتی۔۔۔

اعتراض::: جتنی بھی آیات میں رؤیت باری تعالٰی کو طلب کیا گیا وہاں اللہ پاک نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے تو ثابت ہوا اللہ پاک کو دیکھنا محال ہے۔۔۔۔

جواب::: اللہ عزوجل نے اس لیے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ اسے دیکھنا محال ہے بلکہ اس لیے فرمایا کہ لوگوں نے یہ سوال شرارت کے طور پر کیا تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود رؤیت سے منع فرمادیتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو دیکھنا ممکن ہے اسی وجہ سے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات میں اختلاف کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات اللہ کو دیکھا ہے یا نہیں ؟؟؟ ان کا اختلاف رؤیت کے وقوع میں تھا نہ کہ رؤیت کے امکان میں۔۔۔۔

سوال::: کیا خواب میں اللہ پاک کو دیکھنا ممکن ہے ؟؟؟

جواب::: جی ہاں کثیر اسلاف سے یہ بات منقول ہوئی ہے اور خواب میں اللہ پاک کا قلب کے ذریعے مشاہدہ کیا جاتا ہے نہ کہ آنکھ کے ذریعے۔۔۔۔

سوال::: بندے کے افعال کا خالق کون ہے ؟؟؟ اس میں اشاعرہ اور معتزلہ کا اختلاف لکھیں۔۔۔

جواب::: اہلسنت کے نزدیک بندے کے افعال یعنی ایمان، کفر، طاعت، عصیان وغیرہ کا خالق اللہ ہے جبکہ معتزلہ کے مطابق بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔۔۔

شروع شروع میں معتزلہ بندے کو افعال کا خالق کہنے کی بجائے افعال کا موجد اور مخترع کہتے تھے لیکن جب جبائی معتزلی اور اس کے متبعین نے دیکھا کہ سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا پھر انہوں نے بندے کو بھی افعال کا خالق کہنا شروع کر دیا۔۔۔

سوال::: افعال کا خالق اللہ پاک ہے اس پہ ایک دلیل عقلی اور دلیل نقلی ذکر کریں۔۔۔

جواب ::: مصنف نے متعدد دلائل نقل کیے ہیں لیکن ہم طوالت سے بچنے کے لیے محض ایک دلیل عقلی اور نقلی ذکر کریں گے :::

عقلی دلیل::: اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہوتا تو وہ اپنے فعل کی مکمل تفصیل جانتا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے موجد اپنی ایجاد کو مکمل طور پر جانتا ہے جبکہ بندہ اپنے افعال کو مکمل طور پر نہیں جانتا مثلاً ایک جگہ سے دوسری جگہ چل کر جانا ایک فعل ہے یہ فعل کئی حرکات و سکنات پہ مشتمل ہوتا ہے بعض حرکات تیز ہوتی ہیں بعض آہستہ ہوتی ہیں لیکن چلنے والے کو اپنی حرکات کا علم نہیں ہوتا تو ثابت ہوا بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں۔۔۔

نقلی دلیل::: اللہ پاک کا فرمان ہے::: خالق کل شئ (وہ ہر چیز کا خالق ہے۔۔۔)

چونکہ بندے کا فعل بھی ایک شے ہے تو اس آیت سے ثابت ہوا کہ بندے کے افعال کا خالق اللہ پاک ہے۔۔۔

اعتراض::: آپ نے مذکورہ بالا سوال میں نقلی دلیل دی ""خالق کل شئ""، شے اسے کہتے ہیں جو موجود ہو اور اللہ پاک بھی موجود ہے تو اس آیت سے یہ لازم آرہا ہے کہ اللہ عزوجل اپنا بھی خالق ہے جو کہ درست نہیں۔۔۔

جواب::: یہاں شے سے مراد ممکن ہے اور اللہ پاک کی ذات وصفات ممکنات میں سے نہیں ہیں لہذا اس آیت سے یہ معنی ہر گز نہیں بنتا جو معترض نے بنایا ہے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ بندے کے افعال کا خالق بندے کو سمجھتے ہیں تو کیا ان کو مشرک کہا جائے گا؟؟؟

جواب::: جی نہیں،، کیونکہ الوہیت میں اللہ پاک کے ساتھ کسی کو واجب الوجود یا عبادت کا حق دار سمجھتے ہوئے شریک کرنا شرک کہلاتا ہے جیسا کہ مجوسی اور بت پرست لوگ کرتے ہیں جبکہ معتزلہ بندے کو اس اعتبار سے خالق نہیں کہتے۔۔۔

لیکن ماوراء النہر کے مشائخ معتزلہ کو گمراہ قرار دینے میں مبالغہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجوسیوں کا حال معتزلہ سے اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کے لیے صرف ایک شریک ثابت کیا ہے((مجوسیوں کے نزدیک ایک خالقِ خیر ہے اور دوسرا خالقِ شر)) جبکہ معتزلہ نے ہر بندے کو اس کے افعال کا خالق مانتے ہوئے اتنے زیادہ شریک بنا دیئے ہیں جنہیں گنا نہیں جا سکتا۔۔۔

سوال ::: اب ہم معتزلہ کے مؤقف کے دو دلائل ذکر کریں گے :::

پہلی دلیل::: ماشی اور مرتعش((جس کے بدن رعشہ ہو))کی حرکت میں فرق ہے،،ماشی کی حرکت اس کے اپنے اختیار سے ہوتی ہے جبکہ مرتعش کی حرکت بے اختیار ہوتی رہتی ہے اگر تمام افعال کا خالق اللہ پاک ہے تو ماشی اور مرتعش کی حرکت میں فرق کیوں ہے؟؟؟

دوسری دلیل::: اگر تمام افعال کا خالق اللہ ہے تو بندے کو اس کے افعال کا مکلف کیوں قرار دیا جاتا ہے؟؟؟ بندے کی افعال کی وجہ سے تعریف و مذمت کیوں کی جاتی ہے؟؟؟

جواب::: ان دونوں دلائل کا مشترکہ جواب یہ ہے کہ یہ دلائل جبریہ فرقے کے خلاف قائم ہو سکتی ہیں جو بندے کو بلکل مجبور مانتے ہیں ہمارے خلاف یہ دلائل قائم نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم اللہ پاک کو افعال کا خالق اور بندے کو افعال کا کاسب مانتے ہیں تو جب ہم بندے کو کاسب مانتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے کا بھی اپنے افعال میں عمل دخل ہے لہذا بندے کو مکلف بنایا جاتا ہے افعال کی وجہ سے اس کی تعریف و مذمت کی جاتی ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: اگر افعال کا خالق اللہ پاک ہے تو اللہ پاک کو آکل، شارب، سارق اور زانی وغیرہ بھی کہنا درست ہو گا جبکہ اللہ پاک کے اوپر ان الفاظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کا یہ اعتراض انتہائی جاہلانہ ہے،، کسی شے کا موجد اس کے ساتھ متصف نہیں ہوتا بلکہ وہ شے جس کے ساتھ قائم ہوتی ہے وہی اس کے ساتھ متصف ہوتا ہے،، یہ افعال بندے کے ساتھ قائم ہیں لہذا بندے ہی ان کے ساتھ متصف ہوں گے نہ اللہ پاک۔۔۔۔۔

اعتراض::: معتزلہ اپنے مؤقف پہ دو دلائل نقلیہ ذکر کرتے ہیں:::

(1)فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ پاک خالقین میں سے سب سے بہتر خالق ہے تو ثابت ہوا بندے بھی اپنے افعال کے خالق ہو سکتے ہیں صرف اللہ پہ خالق کا اطلاق نہیں ہوتا۔۔۔۔

(2)وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ

اس آیت میں خلق کی نسبت حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف ہوئی کہ وہ پرندہ پیدا کرتے ہیں تو ثابت ہوا بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔۔۔۔۔

جواب::: ان آیات میں خلق بمعنی تصویر اور تقدیر ہے یعنی اللہ پاک تمام صورت بنانے والوں اور اندازہ لگانے والوں میں سے سب سے بہتر ہے،، حضرت عیسی علیہ السلام پرندوں کو پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی صورت بنایا کرتے تھے لہذا یہ آیات معتزلہ کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں۔۔۔۔

سوال::: کیا بندے کے تمام افعال اللہ پاک کے ارادے سے صادر ہوتے ہیں؟؟؟

جواب::: جی ہاں تمام افعال اللہ پاک کے ارادے، مشیت، حکم اور قضاء سے سرزد ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

سوال::: اللہ پاک کے حکم سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب ::: حکم سے مراد خطاب تکوین ہے یعنی کسی چیز کو ایجاد کرنے کے وقت کلمہ ""کن"" فرمانا۔۔۔۔

سوال::: قضاء کی تعریف کریں۔۔۔

جواب::: کسی فعل کو ایسے مضبوط طریقے سے سرانجام دینا کہ اس میں مزید کسی کمی و بیشی کی کوئی گنجائش نہ ہو۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا تمام افعال اللہ پاک کی قضاء سے وجود میں آتے ہیں تو پھر کفر بھی اللہ کی قضاء کے تحت آئے گا اور قضاء سے راضی رہنا واجب ہے یوں پھر کفر پہ راضی ہونا لازم آئے گا جبکہ کفر پہ راضی رہنا بھی کفر ہے۔۔۔۔

جواب::: قضاء اور مقضی دو الگ الگ چیزیں ہیں،، قضاء کے ساتھ راضی رہنا واجب ہے نہ کہ مقضی کے ساتھ اور کفر قضاء نہیں ہے بلکہ مقضی ہے تو اس سے کفر پہ راضی رہنا لازم نہیں آتا۔۔۔۔

سوال::: تقدیر کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: ہر مخلوق کو اس کی حد کے ساتھ متعین کر دینا تقدیر کہلاتا ہے مثلا::: اس میں کیا اچھائی، برائی پائی جائے گی؟؟؟ یہ کب کہاں پیدا ہو گا؟؟؟ کون کون سے اچھے اور برے اعمال کرے گا

سوال::: ماتن کا یہ عبارت ""وھی کلھا بارادتہ ومشیئتہ"" بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟؟؟؟؟؟

جواب::: اس کا مقصد اللہ پاک کے ارادے اور قدرت کے عموم کو ظاہر کرنا ہے کہ ہر چیز کو اللہ پاک کا ارادہ عام ہے ہر چیز کو اللہ نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے لیے ارادے اور قدرت کا ہونا ضروری ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: جب اللہ پاک نے تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر اپنے کفر میں اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہے ان کو ایمان اور اطاعت کا مکلف بنانا درست نہیں۔۔۔۔۔

جواب::: اللہ پاک کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ کافر نے کفر کرنا تھا اور یہ بات اللہ پاک نے اپنے علم سے جانی اور لکھ دی تو ثابت ہوا کافر اپنے کفر میں مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔۔۔۔

سوال::: کیا اللہ پاک کے ارادے کا تعلق کسی قبیح فعل سے ہو سکتا ہے ؟؟؟ معتزلہ کا نظریہ لکھیں اور اس کا رد کریں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کے نزدیک اللہ کے ارادے کا تعلق کسی قبیح فعل سے نہیں ہو سکتا اللہ پاک نے کافر کے کفر اور فاسق کے فسق کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان اور اطاعت کا ارادہ کیا تھا((لیکن انہوں نے کفر اور نافرمانی کو اختیار کر لیا)) جس طرح کسی قبیح چیز کو پیدا کرنا قبیح ہے بلکل اسی طرح قبیح کا ارادہ کرنا بھی قبیح ہے۔۔۔۔

ہم ان کا رد کرتے ہیں کہ کسی قبیح چیز کا ارادہ کرنا قبیح نہیں ہے بلکہ قبیح کا کسب کرنا قبیح ہے،، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبیح افعال اللہ پاک کے ارادے کے بغیر ہوتے ہیں اگر اس چیز کو درست مانا جائے تو بندوں کے کثیر افعال کا اللہ پاک کے ارادے کے خلاف ہونا لازم آئے گا اور یہ بہت بری چیز ہے کیونکہ اس سے اللہ پاک کا عاجز ہونا ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔

سوال::: عمرو بن عبید معتزلی اور ایک مجوسی کا مکالمہ لکھیں۔۔۔۔

جواب::: عمرو بن عبید کہتے ہیں کہ ایک مجوسی نے جس طرح مجھے لاجواب کیا اس طرح کبھی کسی نے نہیں کیا،، واقعہ یوں ہوا کہ میرے ساتھ کشتی میں ایک مجوسی سفر کر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تو ایمان کیوں نہیں لاتا اس نے کہا کیونکہ اللہ نے میرے ایمان لانے کا ارادہ نہیں کیا جب وہ ارادہ کرے گا میں ایمان لے آؤں گا،، میں نے کہا اللہ نے تمہارے ایمان کا ارادہ کیا ہے لیکن تمہارے شیاطین تمہیں ایمان کی طرف نہیں جانے دے رہے مجوسی نے یہ سن کر کہا کہ میں پھر اس شخص کے ساتھ ہوں جو غالب ہے((یعنی تمہارے عقیدے کے مطابق اگر اللہ پاک کے ارادہ کرنے کے باوجود شیاطین ایمان کی طرف نہیں جانے دے رہے تو ثابت ہوا شیاطین اللہ پاک پہ معاذ اللہ غالب ہیں لہذا میں شیاطین کے ساتھ ہوں))۔۔۔۔

سوال::: جب قاضی عبد الجبار معتزلی نے ابو اسحاق اسفرائینی کو دیکھا تو کیا کہا؟؟؟ نیز ابو اسحاق نے کیا جواب دیا؟؟؟

جواب::: قاضی عبد الجبار معتزلی ابن عباد نامی وزیر کے پاس گیا تو وہاں ابو اسحاق بیٹھے ہوئے تھے،، قاضی نے انہیں دیکھ کر کہا"""پاک ہے وہ ذات جو ہر برائی سے منزہ ہے"""((یعنی قاضی کا مطلب تھا کہ اللہ پاک برے افعال کا خالق و مالک نہیں ہے)) ابو اسحاق نے فوراً جواب دیا"""پاک ہے وہ ذات کہ اس کے ملک میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے"""((یعنی سب کچھ اللہ کے حکم اور ارادے سے ہی ہوتا ہے))۔۔۔۔

سوال::: امر اور نہی ارادے کو مستلزم ہوتے ہیں یا نہیں؟؟؟ معتزلہ کا مؤقف اور ان کے مؤقف پہ اہلسنت کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کو بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کے نزدیک امر ارادے کو مستلزم ہے یعنی امر میں ارادہ پایا جاتا ہے جبکہ نہی میں ارادہ نہیں پایا جاتا،، اسی بناء پہ وہ کہتے ہیں کہ کافر کا ایمان مراد ہے((یعنی اللہ کی طرف سے ایمان لانے کا امر ہے اور امر میں ارادہ پایا جاتا ہے اس اعتبار سے کافر کا

ایمان مراد ہے))اور اس کا کفر غیر مراد ہے((کیونکہ کفر سے نہی وارد ہوئی ہے اور نہی میں ارادہ نہیں پایا جاتا لہذا کافر کا کفر کرنا غیر مراد ہے))

چونکہ معتزلہ نے کہا تھا کہ امر میں ارادہ پایا جاتا ہے تو ہم ان پہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض اوقات امر پایا جاتا ہے لیکن اس میں ارادہ نہیں ہوتا مثلا ایک آقا اپنے غلام کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ غلام کام نہیں کرے گا لہذا لوگوں کے سامنے اس کا نافرمان ہونا ظاہر ہو جائے گا،، بعض اوقات نہی پائی جاتی ہے لیکن وہ چیز مراد ہوتی ہے لہذا معتزلہ کا مؤقف درست نہیں۔۔۔۔۔

سوال::: بندوں کے افعال اختیاری ہوتے ہیں یا اضطراری؟؟؟

جواب::: بندوں کے افعال اختیاری ہوتے ہیں اسی وجہ سے اچھے اعمال پہ بندوں کو ثواب دیا جاتا ہے اور برے اعمال کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔۔۔۔

سوال::: فرقہ جبریہ بندوں کے افعال کے حوالے سے کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟؟؟ نیز ان کا رد کریں۔۔۔

جواب::: جبریہ کا کہنا ہے کہ بندوں کو ان کے افعال میں کوئی قدرت یا اختیار وغیرہ نہیں ہے،، ان کی حرکتیں جمادات کی طرح ہیں جس طرح جمادات اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے بلکل اسی طرح بندے بھی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔

جبریہ کا مؤقف باطل ہے اور اس پہ تین عقلی دلائل یہ ہیں:::

(1)وہ شخص جس کے جسم میں رعشہ ہو اور وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز پکڑے دونوں میں فرق ہے کیونکہ رعشہ والی حرکت اختیار میں نہیں ہے جبکہ خود کسی چیز کو پکڑنا اپنے اختیار میں ہے۔۔۔

(2)اگر بندوں کو کوئی اختیار نہ ہوتا تو ان کو مکلف بنانا اور ثواب وعقاب کا حقدار قرار دینا درست نہ ہوتا۔۔۔

(3)اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے اختیار سے نماز پڑھی ہے۔۔۔

نقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن کریم میں جگہ جگہ فرمایا کہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو یہ بدلہ دیا جانا دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے افعال میں مختار ہیں۔۔۔

اعتراض::: پیچھے بیان ہوا کہ اللہ پاک کے ارادے اور علم میں تعمیم ہے یعنی سب اس کے ارادے اور علم میں ہے تو اس سے لازم آتا ہے بندے کو کوئی اختیار نہیں کیونکہ اگر اللہ کے علم اور ارادے کا تعلق فعل کے پائے جانے سے ہوا تو اس فعل کا صادر ہونا ضروری ہے اور اگر تعلق نہ ہوا تو اس فعل کا صدور ممتنع ہے تو اس میں بندے کا اختیار کدھر ہے؟؟؟

جواب::: اللہ پاک کے علم اور ارادے کا بندے کے فعل کے ساتھ تعلق اس معنی میں ہے کہ اللہ پاک اپنے علم سے جانتا ہے کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے فعل کرے گا یا چھوڑے گا لہذا اعتراض باطل ہے۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ بندہ اپنے اختیار سے فعل کرتا ہے اور یہ تبھی ہو گا جب بندہ اپنے افعال کو خود ایجاد کرنے والا ہو جبکہ آپ کہتے ہیں افعال کا موجد اللہ پاک ہے تو یوں ایک چیز دو قدرتوں کے تحت داخل ہو رہی ہے۔۔۔۔۔

جواب::: دونوں میں فرق ہے اللہ پاک افعال کا موجد ہے جبکہ بندہ افعال کا کاسب ہے،، یہاں ایک چیز دو قدرتوں کے تحت اس معنی میں ہے کہ جب بندہ فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس کے اندر فعل کو کرنے کی قدرت پیدا فرما دیتا ہے لہذا خلق اور کسب میں فرق رکھنا ضروری ہے۔۔۔۔

سوال::: کسب اور خلق میں کیا فرق ہے؟؟؟

جواب::: کسب آلات کا محتاج ہوتا ہے جبکہ خلق میں آلات کی محتاجی نہیں پائی جاتی،، کسب ""کاسب"" کی ذات میں واقع ہوتا جبکہ خلق ""خالق"" کی ذات میں واقع نہیں ہوتا۔۔۔۔

کاسب اپنا کسب اللہ کے ارادے کے بغیر نہیں کر سکتا جبکہ خالق خلق کرنے میں کسی کا محتاج نہیں۔۔۔۔

اعتراض::: یہ معتزلہ کی جانب سے ہمارے اوپر اعتراض ہے کہ آپ نے بندے کو افعال کا کاسب مان کر شرک کا ارتکاب کیا،، جب معتزلہ نے بندے کو افعال کا خالق کہا تھا تو اس وقت آپ نے انہیں مشرک قرار دیا تھا جبکہ آپ خود بندے کو کاسب مان کر شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔۔۔۔

جواب::: یہ اللہ پاک کے ساتھ شرکت نہیں ہے کیونکہ شرکت کی تعریف یہ ہے کہ متعدد لوگ کسی چیز میں شریک ہوں اور ہر ایک کا الگ الگ حصہ ہو جیسے ایک بستی میں کئی لوگ شریک ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کا اپنا اپنا گھر ہوتا ہے،، معتزلہ نے مخلوق کو اللہ پاک کی صفت خلق میں یوں شریک کیا تھا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے جبکہ اللہ پاک بقیہ چیزوں کا خالق ہے اس پہ شرکت کی تعریف صادق آرہی ہے اور یہی شرک ہے،، ہمارا بندے کو کاسب ماننا شرک نہیں کیونکہ اللہ پاک کی طرف فعل کی نسبت خلق کے اعتبار سے ہے جبکہ بندے کی طرف کسبیت کے اعتبار سے جیسا کہ زمین کا مالک اللہ پاک بھی ہے اور انسان بھی لیکن اللہ پاک کی طرف تخلیق کے اعتبار سے نسبت ہے جبکہ بندے کی طرف تصرف کے اعتبار سے ملکیت کی نسبت ہے،، تو ثابت ہوا ہمارا بندے کو افعال کا کاسب ماننا شرک نہیں۔۔۔۔۔

اعتراض::: اللہ پاک افعال کا خالق ہے اور بندہ کاسب،، اگر بندہ برا عمل کرے تو اسے کسبِ قبیح کہتے ہیں اور وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے لیکن برے فعل کو تخلیق کرنے کو خلقِ قبیح کیوں نہیں کہا گیا؟؟؟

جواب::: اللہ پاک حکمت والا ہے اور ہر چیز کو اس نے کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے اگر چہ ہمیں اس کا ادراک نہیں،، چونکہ اللہ پاک کی ہر تخلیق میں حکمت ہے لہذا برا فعل پیدا کرنے کو خلقِ قبیح نہیں کہا جبکہ کاسب یعنی بندہ حکمت سے خالی ہے وہ اچھے برے اعمال کرتا رہتا ہے لہذا اس کے برے فعل کو کسبِ قبیح قرار دے کر اسے سزا کا مستحق ٹھہرا دیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: حسن اور قبیح فعل کی تعریف کریں۔۔۔۔

جواب::: حسن فعل::: وہ فعل جس پہ دنیا میں تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں ثواب ملے گا ایسا فعل حسن کہلاتا ہے،، اس کی ایک اور جامع ومانع تعریف یہ ہے کہ حسن وہ فعل ہے جس کی وجہ سے مذمت یا سزا نہیں ملتی۔۔۔۔

قبیح فعل::: قبیح وہ فعل ہے جس کی وجہ سے دنیا میں مذمت ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔۔۔۔۔

سوال::: کیا حسن اور قبیح فعل دونوں اللہ پاک کی رضا سے واقع ہوتے ہیں؟؟؟

جواب::: حسن فعل اللہ پاک کے ارادے اور رضا دونوں سے ہوتا ہے جبکہ قبیح فعل اگر چہ اللہ پاک کے ارادے سے ہوتا ہے لیکن اس میں اللہ پاک کی رضا نہیں ہوتی کیونکہ قرآن کریم میں اللہ پاک کا فرمان ہے:::

وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ‌ۚ۔

ترجمہ کنزالعرفان::: اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔۔۔۔

سوال::: استطاعت کی تعریف کریں۔۔۔۔

جواب::: وہ طاقت وقدرت جس کی وجہ سے فعل صادر ہوتا ہے استطاعت کہلاتی ہے۔۔۔۔

سوال::: صاحب تبصرہ نے استطاعت کی کیا تعریف فرمائی؟؟؟

جواب::: آپ فرماتے ہیں کہ استطاعت ایک ایسا عرض ہے جسے اللہ پاک حیوان میں پیدا کرتا ہے اور اس کے ذریعے وہ افعال سر انجام دیتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: کیا استطاعت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے یا فعل سے قبل؟؟؟

جواب::: معتزلہ کے نزدیک استطاعت فعل سے پہلے پائی جاتی ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک استطاعت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور فعل کے لیے علت ہے جبکہ جمہور کا یہ قول ہے کہ استطاعت فعل کے اداء کرنے کی شرط ہے علت نہیں،، مختصراًیہ کہ اشاعرہ کے نزدیک اسباب وآلات کی سلامتی کے بعد بندہ اگر اچھے فعل کا ارادہ کرے تو اللہ پاک کی طرف سے اس میں اچھی استطاعت پیدا کر دی جاتی ہے اور اگر برے فعل کا ارادہ کرے تو اس میں برے فعل کی استطاعت پیدا کر دی جاتی ہے یعنی استطاعت فعل کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے اس سے پہلے نہیں۔۔۔۔۔

سوال::::اشاعرہ اس بات پہ کیا دلیل دیتے ہیں کہ فعل کے ساتھ استطاعت پائی جاتی ہے؟؟؟

جواب::::ان کی دلیل یہ ہے کہ استطاعت ایک عرض ہے جس کی بقاء محال ہے،،اگر استطاعت کا وجود فعل سے پہلے مانا جائے تو فعل کا بغیر استطاعت کے ہونا لازم آئے گا کیونکہ استطاعت ایک عرض ہے اور عرض کی بقاء محال ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ استطاعت وجود میں آنے کے بعد فعل کے وجود تک پائی جائے۔۔۔۔

اعتراض::::یہ معتزلہ کی جانب سے اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عرض کی بقاء محال ہے لیکن یہ بات تو متفق ہے کہ عرض کی امثلہ پیدا ہوتی رہتی ہیں((یعنی تجدد امثال ہوتا رہتا ہے))،،تو جب فعل کے وجود سے پہلے قدرت وجود پا گئی اور عرض ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئی لیکن اس کی امثلہ تو بار بار وجود پا رہی ہیں اور موجود ہیں تو آپ کیسے کہ سکتے ہیں کہ اگر استطاعت پہلے پائی گئی تو فعل کا بغیر استطاعت ہونا لازم آئے گا؟؟؟

جواب::::اشاعرہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ اس وقت ہے جب آپ فعل کا وجود اس استطاعت کی وجہ سے مانیں جو سابقہ استطاعت ہے اور فعل سے پہلے پیدا ہوئی جبکہ آپ یہاں تجدد امثال کو لے آئے ہیں،،اگر آپ فعل کا وجود اس استطاعت کی وجہ سے مانتے ہیں جو سابقہ استطاعت کی مثال ہے تو اس سے ہمارا دعویٰ استطاعت مع الفعل ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔

اگر تم سابقہ استطاعت کو مؤثر نہیں مانتے بلکہ اس کی مثال کو فعل کے ہونے میں مؤثر مانتے ہو تو اس کی دلیل تمہارے اوپر لازم ہے۔۔۔۔

سوال::::معتزلہ کے مذکورہ بالا جواب کا صاحب کفایہ نے کیا جواب دیا؟؟؟نیز کیا ان کا جواب معتبر ہے؟؟؟

جواب::::صاحب کفایہ معتزلہ کو الزامی جواب دیتے ہیں کہ فعل کا وجود یا تو استطاعت کی حالت اولی میں ہو گا یا حالت ثانیہ میں،،اگر حالت اولی میں ہوا تو تم نے خود ہی اشاعرہ کا مؤقف ""استطاعت مع الفعل"" قبول کر لیا لیکن اگر حالت ثانیہ((یعنی تجدد امثال والی حالت))میں فعل وجود میں آیا تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے کیونکہ استطاعت دونوں حالتوں میں برابر ہوتی ہے چاہے حالت اولی میں ہو یا حالت ثانیہ میں،،تو آپ نے کس دلیل کی بنیاد پہ دوسری حالت کو پہلی حالت پہ ترجیح دیا؟؟؟

شارح فرماتے ہیں کہ صاحب کفایہ کے جواب میں نظر ہے کیونکہ معتزلہ فعل سے پہلے استطاعت کے وجوب کے قائل نہیں کہ ضروری طور پر فعل سے پہلے استطاعت پائی جاتی ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ فعل سے پہلے استطاعت ہو سکتی ہے لہذا ان پہ یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنا مؤقف چھوڑ کر اشاعرہ کا مؤقف اپنا لیا،،دوسری بات اس لیے کمزور ہے کہ بعض اوقات استطاعت کی پہلی حالت میں تاثیر کا مادہ نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سے فعل وجود میں آئے جبکہ استطاعت کی دوسری حالت میں تاثیر پائی جاتی ہے تو ایسا ممکن ہے کہ فعل استطاعت کی پہلی حالت کی بجائے دوسری حالت یعنی تجدد امثال سے وقوع پذیر ہو۔۔۔۔

اعتراض::: معتزلہ کی جانب سے ایک اور اعتراض ہے کہ اگر استطاعت فعل کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے تو کسی شخص کو اس بات کا مکلف کرنا لازم آئے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا مثلا کافر کو ایمان لانے کا مکلف کیا گیا جبکہ ایمان لانے کا ارادہ کرنے سے پہلے اس میں ایمان لانے کی استطاعت ہی موجود نہیں تو ثابت ہو اوہ ایسے کام کا مکلف کیا گیا جس کی اس میں استطاعت نہیں اور یہ اصول قرآن کے خلاف ہے۔۔۔۔

جواب::: یہ اصول قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ استطاعت کی دو اقسام ہیں::: استطاعت حقیقی استطاعت مجازی

استطاعت حقیقی فعل کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے جبکہ استطاعت مجازی سے مراد آلات و اسباب کا سلامت ہونا ہے اور یہ فعل سے پہلے پائے جاتے ہیں اور اسی استطاعت کی بناء پہ کسی کو مکلف قرار دیا جاتا ہے،، کافر والی مثال جو معتزلہ نے پیش کی اس میں استطاعت مجازی مراد ہے۔۔۔۔۔

اس کی ایک اور مثال قرآن کریم میں ہے::: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۔

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے۔۔۔۔

اس آیت میں بھی استطاعت مجازی یعنی اسباب و آلات کی سلامتی ہونا مراد ہے۔۔۔۔

اعتراض::: استطاعت مکلف کی صفت ہے جبکہ اسباب و آلات کی سلامتی مکلف کی صفات میں سے نہیں ہے لہذا استطاعت کی تفسیر اسباب و آلات کی سلامتی سے کرنا درست نہیں۔۔۔۔

جواب::: جس طرح استطاعت کسی شخص کی صفت ہے اسی طرح اسباب و آلات کی سلامتی بھی صفت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے """ھو ذو سلامۃ الاسباب"""یعنی وہ شخص اسباب کی سلامتی والا ہے،، البتہ ان دونوں میں فرق محض اتنا ہے کہ اسباب و آلات کی سلامتی مرکب ہے اس سے اسم فاعل کا صیغہ مشتق نہیں ہو سکتا جبکہ استطاعت مفرد ہے اور اس سے اسم فاعل کا صیغہ مشتق ہو جاتا ہے،، حقیقت میں یہ دونوں شخص کی صفات ہی ہیں۔۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کا اعتراض کہ اگر فعل سے پہلے استطاعت کو نہ مانا جائے تو کسی شخص کو اس چیز کا مکلف کرنا لازم آئے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کا امام اعظم کیا جواب دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: امام اعظم جواب دیتے ہیں کہ قدرت یعنی استطاعت ضدین کی صلاحیت رکھتی ہے،، وہ قدرت جسے کافر نے اپنے کفر میں لگایا ہے اسی قدرت کو ایمان میں بھی لگایا جا سکتا ہے لیکن اس نے اسے خود ہی ضائع کیا اور عذاب کا مستحق ہو گیا تو فرق یہاں صرف قدرت کے تعلق کا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر میں ایمان کی طاقت نہیں تھی اور اسے ایمان کا مکلف بنایا گیا۔۔۔۔

سوال::: امام اعظم کے مذکورہ بالا جواب کے بارے میں شارح کا تبصرہ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: شارح اس جواب کو درست نہیں مانتے،، وہ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے تو معتزلہ کا مؤقف ثابت ہو رہا ہے کہ استطاعت فعل سے پہلے پائی جاتی ہے وہ اس طرح کہ اس جواب سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کافر کے لیے حالت کفر میں ایمان لانے کی قدرت ہوتی ہے اس سے الٹا معتزلہ کا مؤقف ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: امام اعظم کے جواب پہ شارح کی جانب سے کیے گئے تبصرے کا کیا جواب ہے اور پھر اس کا مزید کیا رد کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: شارح کے تبصرے کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم نے کہا کہ قدرت ضدین کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس کا تعلق کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ وہ قدرت ہے جو فعل کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے اس کے مقارن ہوتی ہے اسے قدرت متعلقہ بالفعل کہتے ہیں،، جبکہ نفسِ قدرت ایک الگ چیز ہے اور وہ فعل سے پہلے پائی جاتی ہے جیسا کہ کافر میں حالت کفر میں ایمان لانے کی قدرت ہے تو یہ نفس قدرت ہے نہ کہ قدرت متعلقہ بالفعل،، اور کسی شخص کو نفسِ قدرت کی وجہ سے مکلف بنایا جاتا ہے۔۔۔۔۔

شارح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہمارا اور معتزلہ کا اختلاف اس قدرت میں نہیں ہے جو فعل کے متعلق ہوتی ہے کیونکہ وہ اور ہم یعنی اشاعرہ اس قدرت کو فعل کے ساتھ ہی مانتے ہیں اصل اختلاف تو نفس قدرت میں ہے آیا کہ وہ فعل سے پہلے پائی جاتی ہے یا بعد میں؟؟؟ تو ان کے نزدیک پہلے پائی جاتی ہے ((جیسا کہ آپ نے ان کے خلاف جواب دیتے ہوئے انہی کا مؤقف ثابت کر دیا)) جبکہ ہمارے نزدیک فعل کے مقارن پائی جاتی ہے لہذا یہ جواب بھی باطل ہے۔۔۔۔۔

سوال::: ""تکلیف مالا یطاق"" سے کیا مراد ہے اور اس کے کتنے مراتب ہیں؟؟؟

جواب::: اس سے مراد ہے بندے کو ان کاموں کا مکلف کرنا جن کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔۔۔۔

اس کے تین مراتب ہیں:::

(1) وہ کام جو فی نفسہ ممتنع ہوں مثلاً ضدین کا جمع ہونا۔۔۔۔

(2) وہ کام جو فی نفسہ کرنا ممکن ہو لیکن بندہ اسے نہ کر سکتا ہو مثلاً جسم کو پیدا کرنا۔۔۔۔

(3) وہ کام جو بندے کے لیے کرنا ممکن ہو لیکن اللہ پاک کا ارادہ اس کے عدم کے متعلق ہو یعنی اللہ کے ارادے کے مطابق وہ کام نہ ہونا ہو مثلاً ایمان لانا کافر کے لیے ممکن ہے لیکن اللہ پاک کا ارادہ اس کے عدم ایمان کے متعلق ہو تو وہ ایمان نہیں لائے گا۔۔۔۔۔

پہلی قسم نہ ہی جائز ہے اور نہ ہی واقع ہوتی ہے،، دوسری قسم اہل سنت کے نزدیک واقع ہوتی ہے لیکن معتزلہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی جبکہ تیسری قسم کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایمان لانا کافر کے بس میں ہے۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ جس کام کی مخلوق میں طاقت نہ ہو اس کا اسے مکلف نہیں بنایا جاتا تو پھر اللہ پاک نے فرشتوں سے یہ کیوں فرمایا تھا ""مجھے ان ناموں کی خبر دو"" ((سورۃ البقرہ)) حالانکہ اللہ پاک نے انہیں ان ناموں کا علم نہیں دیا تھا۔۔۔۔۔

جواب:::اللہ پاک نے یہ سوال کرکے فرشتوں کو نام بتانے کا مکلف نہیں کیا تھا بلکہ یہ سوال کرنے کا مقصد محض فرشتوں کو عاجز کرنا تھا۔۔۔

سوال:::اگر مخلوق کو ان کاموں کا مکلف نہیں کیا جاتا جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے تو پھر یہ دعا کیوں مانگی جاتی ہے ""رَبَّنَاوَ لَاتُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَابِهٖ ۚ-""؟؟؟

جواب:::اس آیت کا مطلب یہ نہیں جو معترض نے سمجھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے رب ہمیں ایسی مصیبت نہ پہچانا جسے برداشت کرنا ہماری طاقت میں نہیں۔۔۔

سوال:::مالایطاق کی دوسری قسم کہ جو فی نفسہ ممکن ہے لیکن بندہ اسے کر نہیں سکتا اس کے وقوع اور عدم وقوع میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف تفصیل سے ذکر کریں۔۔۔

جواب:::معتزلہ کا مؤقف اور دلیل:::

معتزلہ کے نزدیک اس کا وقوع نہیں ہو سکتا کیونکہ بندے کو ایسے فعل کا مکلف کرنا جو اس کی طاقت سے باہر ہے ایک قبیح فعل ہے اور یہ اللہ کی شایان شان نہیں۔۔۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے سورۃ بقرہ میں فرمادیا ہے ""لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا"" تو اگر اس کے وقوع کو ممکن سمجھیں گے تو محال لازم آئے گا یعنی اللہ پاک کا یہ فرمان جھوٹا قرار پائے گا۔۔۔۔

اشاعرہ((اہلسنت))کا مؤقف اور دلیل:::

ان کے نزدیک اس کا وقوع ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ پاک اپنی مخلوق کا خالق ومالک ہے جیسے چاہے تصرف کرے اس کے لیے یہ عمل قبیح نہیں ہوگا۔۔۔

معتزلہ کی دوسری دلیل کا رد یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ممکن کے وقوع کو فرض کرنے سے محال لازم نہیں آتا بلکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ممکن تو ہے لیکن کسی وجہ سے وہ وقوع پذیر نہیں ہو سکتی مثلا اللہ پاک نے عالم کو پیدا کیا اس کا معدوم ہونا فی نفسہ ممکن ہے لیکن ابھی یہ معدوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ پاک کے ارادے کے مطابق یہ ایک وقت تک رہے گا تو ثابت ہوا ایسا ہو سکتا ہے جس چیز کا وقوع فی نفسہ ممکن ہو وہ کسی غیر کی وجہ سے واقع نہیں ہو سکتی۔۔۔۔

سوال:::بندے کے افعال کتنی اور کون سی اقسام کے ہیں؟؟؟

جواب:::بندے سے دو قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں:::

(1)افعال مباشرت:یہ وہ افعال ہیں جو بندے سے براہ راست صادر ہوتے مثلا ہاتھ کو حرکت دینا۔۔۔

(2) افعال متولدات: بندے کا فعل اپنے فاعل کے لیے ایک اور فعل پیدا کر دے یہ افعال متولدات ہیں مثلا ہاتھ کی حرکت سے چابی کا حرکت کرنا،، کسی کو مارنے سے اس میں درد کا پیدا ہونا

سوال::: افعال متولدات کا خالق کون ہے؟؟؟ اللہ پاک یا بندہ؟؟؟

جواب::: ہمارے نزدیک یہ افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ ان کا خالق ہے جبکہ معتزلہ کے نزدیک بندہ ان افعال کا خالق ہے۔۔۔۔

سوال::: ""والاولی ان لایقید بالتخلیق"" یہاں سے شارح کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟؟؟

جواب::: ماتن نے کہا تھا"" لا صنع للعبد فی تخلیقہ"" تو شارح فرما رہے ہیں یہاں ماتن کو"" فی تخلیقہ"" کی قید نہیں لگانی چاہیے بلکہ مطلقا کہہ دیتے"" لا صنع للعبد فیہ"" کیونکہ اس قید سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ بندہ ان افعال کا خالق تو نہیں البتہ کاسب ہو گا جبکہ بندہ ان افعال کا کاسب بھی نہیں کیونکہ وہ ان کے عدم حصول پہ قادر نہیں مثلا اگر وہ کسی کو مارے تو وہ اس بات پہ قادر نہیں کہ اس میں درد پیدا نہ ہونے دے۔۔۔۔

سوال::: کیا مقتول اپنے مقررہ وقت پہ مرتا ہے؟؟؟

جواب::: معتزلہ کا مؤقف اور دلیل:::

معتزلہ کے نزدیک مقتول اپنے مقررہ وقت پہ نہیں مرتا اس کی زندگی باقی ہوتی ہے لیکن قاتل اسے پہلے مار دیتا ہے۔۔۔۔

دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ نیکیوں سے عمر بڑھتی ہے تو ثابت ہوا زندگی کم یا زیادہ ہو سکتی ہے،، عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر مقتول اپنے مقررہ وقت پہ مرا ہے تو قاتل کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟؟؟

اہل سنت کا مؤقف اور دلیل:::

اہل سنت کے نزدیک مقتول اپنے مقررہ وقت پہ ہی مرا ہے کیونکہ انسان کی عمر پہلے سے مقرر کر دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے،، اور قرآن پاک میں اللہ پاک کا فرمان ہے:::

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ(34)

ترجمہ کنز العرفان::: تو جب ان کی وہ مدت آجائے گی تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہوں گے اور نہ ہی آگے۔۔۔۔

ثابت ہوا کہ ہر شخص اپنے مقررہ وقت پہ مرتا ہے۔۔۔۔

سوال::: مذکورہ بالا سوال میں معتزلہ کی جانب سے دیئے گئے دو دلائل کا اہل سنت کیا رد کرتے ہیں؟؟؟

جواب:::پہلی دلیل کارد:::اللہ پاک یہ پہلے سے جانتاہے کہ اگر یہ بندہ اطاعت نہ کرتاتواس کی عمر40سال ہوتی اگر اطاعت کرتاتو اس کی عمر60سال ہوتی تو پھر اس کی عمراسی اعتبار سے مقرر کر دی جاتی ہے،،ایسانہیں کہ پہلے اس کی عمر پچاس سال لکھی گئی تھی لیکن نیکی کرنے کی وجہ سے60سال ہو گئی۔۔۔۔

دوسری دلیل کارد:::قاتل کواس لیے سزانہیں دی جاتی کہ اس نے مقتول کواس کے مقررہ وقت سے پہلے ماردیابلکہ اس لیے سزا دی جاتی ہے کہ اس نے اللہ پاک کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔۔۔۔۔

سوال:::موت وجودی ہے یاعدمی؟؟؟

جواب:::موت وجودی ہے اللہ پاک کی مخلوق ہے،،بندہ نہ اس کاخالق ہے اورنہ کاسب،،موت کے امر وجودی ہونے پہ دلیل یہ ہے کہ یہ میت کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور امر وجودی ہی کسی محل میں قائم ہو سکتاہے،،ایک اور دلیل اللہ پاک کافرمان ہے:::

خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ

ترجمہ:::اس نے زندگی اور موت کوپیدا کیا۔۔۔۔

اس آیت میں خلق کی نسبت زندگی اور موت کی طرف کی گئی ہے اور خلق کاتعلق کسی وجودی چیز کے ساتھ ہی ہوتاہے۔۔۔۔

اکثر آئمہ کایہ ماناہے کہ موت ایک عدمی چیز ہے اور آیت میں بیان کیے گئے لفظ""خلق""کو""قدّر""کے معنی میں لیتے ہیں۔۔۔۔

سوال:::اجل ایک ہے یادو؟؟؟

جواب:::کعبی کاکہناہے کہ مقتول کی دواجل ہیں ایک قتل اور دوسرااس کی موت کامقررہ وقت((کیونکہ اس کے نزدیک مقتول اپنے وقت سے پہلے مر جاتاہے))،،فلاسفہ کابھی یہی کہناہے کہ حیوان کے لیے دواجل ہیں،،ایک اجل طبعی ہے اور وہ اس کی موت کاوقت ہے جب کسی حیوان کی فطری رطوبت ختم ہو جاتی ہے اور دوسری اجل اختر امی ہے یہ آفات یاامراض کی وجہ سے ہوتی ہے۔۔۔۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اجل ایک ہی ہے اور یہی اہل سنت کاموًقف بھی ہے۔۔۔۔

سوال:::کیاحرام کورزق کہاجاسکتاہے؟؟؟

جواب:::معتزلہ کاموًقف اور دلائل:::معتزلہ کے نزدیک صرف حلال پہ رزق کااطلاق ہو سکتاہے،،وہ رزق کی دو تعریفات کرتے ہیں:::

(1)رزق وہ مملوکہ شے ہے جسے مالک کھائے اور جو چیز مملوکہ ہوتی ہے وہ حلال ہوتی ہے۔۔۔۔

(2)رزق وہ ہے جس سے نفع اٹھانے سے شریعت نے منع نہ کیاہو اور یہ صرف حلال ہی ہو سکتاہے۔۔۔۔

اہل سنت کا مؤقف اور دلائل:::

اہل سنت کے نزدیک حلال و حرام دونوں پہ رزق کا اطلاق ہو سکتا ہے،، اہل سنت نے بھی اس کی دو تعریفات کی ہیں:::

(1) رزق وہ ہے جسے اللہ حیوان کی طرف بھیجے اور وہ اسے کھالے اور یہ حلال بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی۔۔۔۔

(2) رزق وہ ہے جسے حیوان اپنی غذا بنائے۔۔۔۔

ان میں سے پہلی تعریف زیادہ اولی ہے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کی بیان کی گئی رزق کی تعریفات کا رد کریں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ نے کہا تھا رزق وہ مملوکہ شے ہے جسے مالک کھائے،، حیوان تو کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ جو کھاتا ہے وہ رزق نہیں۔۔۔۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس شخص نے ساری عمر حرام کھایا ہو تو معتزلہ کے مؤقف کے مطابق اس نے کبھی رزق کھایا ہی نہیں جبکہ قرآن میں ہے کہ اللہ سب کو رزق دیتا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے::: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

ترجمہ::: اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔۔۔۔

اعتراض::: اگر حرام رزق ہے تو اس کی نسبت اللہ پاک کی طرف کرنا قبیح ہو گا کیونکہ بندے کو بھی اس پہ سزا ملتی ہے۔۔۔۔

جواب::: جو چیز اللہ کی جانب منسوب ہو وہ قبیح نہیں ہوتی رہی بات بندے کو سزا ملنے کی تو وہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے رزق حاصل کرنے کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس سے اللہ پاک نے منع فرمایا تھا۔۔۔۔

سوال::: حلال و حرام دونوں پہ رزق کا اطلاق کیوں کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: رزق وہ ہے جس سے حیوان غذا حاصل کرے تو یہ غذا حلال و حرام دونوں سے حاصل ہو جاتی ہے لہذا حلال و حرام دونوں رزق کہلائے۔۔۔۔

سوال::: کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی انسان اپنا رزق نہ کھائے یا کوئی انسان کسی دوسرے کا رزق کھالے؟؟؟

جواب::: ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ پاک نے ہر ایک کے لیے رزق مقرر کر رکھا ہے وہ اسی میں سے کھائے گا اگر ایک انسان اپنا رزق نہ کھائے یا کوئی انسان کسی دوسرے کا رزق کھالے تو اللہ پاک کا عاجز ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔۔۔۔

سوال::: ہدایت و گمراہی کا خالق کون ہے؟؟؟

جواب::: ہدایت و گمراہی کا خالق اللہ پاک ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔۔۔۔۔

ہدایت کا معنی بندے میں ہدایت پیدا کرنا اور اسے راہ راست پہ لانا ہے اور اضلال کا معنی بندے میں معصیت پیدا کرنا ہے۔۔۔۔

سوال:::ماتن نے کہا اللہ پاک جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے،، یہاں ہدایت و گمراہی کو اللہ پاک کی مشیت پہ معلق کرنے کا کیا فائدہ ہے؟؟؟

جواب:::اس تعلیق کے ذریعے اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ ہدایت سے مراد حق کا راستہ بیان کرنا نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کیونکہ اللہ پاک نے سب کے لیے حق کا راستہ بیان کر دیا ہے البتہ ہدایت وہ اسے دیتا ہے جسے چاہتا ہے،، اسی طرح اس تعلیق کے ذریعے اس بات کی جانب بھی اشارہ ہے کہ اضلال کا مطلب بندے کو گمراہ پانا یا اسے گمراہ قرار دینا نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ گمان کرتے ہیں۔۔۔۔۔

سوال:::اگر ہدایت و گمراہی کا خالق اللہ پاک ہے تو قرآن کریم میں ہدایت کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور گمراہی کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی؟؟؟

جواب:::یہ نسبت بطور مجاز کی گئی ہے۔۔۔۔

اعتراض:::اگر ہدایت کا معنی کسی بندے میں ہدایت پیدا کرنا ہے تو پھر اسے ہدایت حاصل کر لینی چاہیے،، تو پھر یہ قول""ھداہ اللہ فلم یھتد""((یعنی اللہ نے اسے ہدایت دی لیکن اس نے ہدایت نہیں لی)) درست نہیں ہو گا۔۔۔۔

جواب:::اس قول میں ہدایت اپنے حقیقی معنی پہ محمول نہیں ہے بلکہ یہاں سے مراد ہدایت کی طرف بلانا ہے۔۔۔۔

سوال:::معتزلہ ہدایت سے کیا مراد لیتے ہیں نیز ان کا رد لکھیں۔۔۔۔

جواب:::معتزلہ کے نزدیک ہدایت کا مطلب""سیدھے رستے کو بیان کرنا ہے""۔۔۔۔۔

یہ باطل ہے کیونکہ اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:::اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ

ترجمہ کنزالعرفان:::بیشک ایسا نہیں ہے کہ تم جسے چاہو اسے اپنی طرف سے ہدایت دے دو۔۔۔۔

اس آیت میں اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی کی ہے اگر ہدایت کا مطلب سیدھا راستہ بیان کرنا ہوتا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے تھے پھر اس نفی کا کیا مقصد؟؟؟

دوسرا رد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی""اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے""اگر ہدایت کا مطلب سیدھا راستہ بیان کرنا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا نہ فرماتے کیونکہ وہ پہلے ہی سیدھا راستہ بیان کر چکے تھے۔۔۔۔۔

سوال:::اہل سنت اور معتزلہ کے نزدیک ہدایت کی تعریف لکھیں۔۔۔۔

جواب:::اہل سنت کے نزدیک ہدایت کا مطلب ایسے راستے کی طرف رہنمائی ہے جو مطلوب تک پہنچا دے جبکہ معتزلہ کے نزدیک ہدایت ایسی رہنمائی ہے جو مطلوب تک پہنچا دے۔۔۔۔

سوال:::جس چیز میں بندے کے لیے نفع ہے کیا وہ چیز اللہ پاک پہ واجب ہے؟؟؟

جواب:::معتزلہ کہتے ہیں کہ واجب ہے جبکہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ پاک ایک کافر فقیر کو پیدا نہ کرتا جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ عذاب میں مبتلا ہے،، اگر اللہ پہ یہ چیز واجب ہوتی تو اس کی قدرت کا متناہی ہونا لازم آتا جو کہ باطل ہے۔۔۔۔

سوال:::معتزلہ اللہ پاک کی ذات کے حوالے سے ایسی غلطیاں کیوں کرتے ہیں جیسا کہ اوپر والے سوال میں واقع ہوئی؟؟؟

جواب:::معتزلہ یہ غلطیاں اس لیے کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ پاک کی معرفت حاصل نہیں اور وہ غائب کو شاہد پہ قیاس کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔

سوال:::معتزلہ اس بات پہ کیا دلیل دیتے ہیں کہ اللہ پاک پہ بندے کو نفع پہنچانا واجب ہے؟؟؟

جواب:::وہ کہتے ہیں کہ یا تو اللہ پاک کو پتا ہو گا کہ یہ چیز بندے کے لیے نفع والی ہے یا پتا نہیں ہو گا،، اگر پتا ہو گا تو پتا ہونے کے باوجود بندے کو نفع والی چیز نہ دینا بخل ہے جبکہ اللہ اس سے پاک ہے اور اگر پتا نہیں تو اللہ پاک کے لیے جہالت ماننا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔۔۔۔

اس کا جواب اشاعرہ یہ دیتے ہیں کہ دلائل قطعیہ سے اللہ پاک کی حکمتیں، علم وغیرہ ثابت ہو چکا ہے تو اس کا بندے کو نفع والی چیز نہ دینا اس کا عدل کہلائے گا۔۔۔۔

سوال:::اشاعرہ کے اسی عقیدے کہ اللہ پاک پہ بندے کو نفع والی چیز دینا واجب ہے اس کا رد کرتے ہوئے شارح نے وجوب کے کون سے معانی بیان فرمائے؟؟؟

جواب:::شارح فرماتے ہیں وجوب کے دو معنی ہیں:::

(1) وجوب چھوڑنے پہ مستحق مذمت وعقاب ہو گا اور یہ چیز اللہ پاک کے لیے محال ہے کیونکہ وہ کسی کا مکلف نہیں۔۔۔۔

(2) وجوب کا اگر یہ معنی لیں کہ اس کو کرنا لازم ہے اس کو کسی بھی صورت چھوڑا نہیں جا سکتا تو اس معنی کے اعتبار سے اللہ پاک کا بے اختیار ہونا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے تو ثابت ہوا وجوب کے دونوں معنی اللہ پاک کے لیے درست نہیں لہذا اس پہ بندے کو نفع والی چیز دینا واجب نہیں۔۔۔۔

سوال:::کیا قبر میں عذاب ہو گا؟؟؟

جواب:::قبر میں کفار اور بعض نافرمان مسلمانوں کو عذاب ہو گا۔۔۔۔

نافرمان مسلمانوں میں سے بعض نافرمانوں کو خاص کیا کیونکہ اللہ پاک جسے عذاب دینے کا ارادہ نہیں کرے گا اسے نہیں دے گا،، گنہگاروں کو عذاب کے ساتھ ساتھ نیک لوگوں کو قبر میں نعمتیں عطا کی جائیں گی۔۔۔۔

سوال:::ماتن نے جب قبر میں نعمتوں کا ذکر کیا تو اس کے بعد شارح نے یہ کیوں کہا"" وھذا اولی مما وقع فی عامۃ الکتب""؟؟؟

جواب:::شارح یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ماتن نے عذاب قبر کے ساتھ قبر کی نعمتیں ذکر کر کے اچھا کیا ہے وگرنہ اکثر علم کلام کی کتب میں محض عذاب قبر کا ذکر ہے اور اس کی وجہ بھی آگے بیان فرمادی کہ اکثر احادیث قبر کی نعمتوں کی بجائے عذاب قبر کے بارے میں آئی ہیں اور چونکہ اکثر لوگ کفار اور نافرمان ہوتے ہیں نیک لوگ بہت کم ہوتے ہیں اس لیے اکثر علم کلام کی کتب میں محض عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے نعمتوں کا نہیں۔۔۔۔۔

سوال:::منکر نکیر کون ہیں؟؟؟اور ان کا کیا عمل ہے؟؟؟

جواب:::منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو قبر میں آئیں گے اور بندے سے اس کے رب، دین اور نبی کے بارے میں سوال کریں گے۔۔۔۔

سوال:::کیا قبر میں انبیاء اور بچوں سے سوالات ہوں گے؟؟؟

جواب:::سید ابو شجاع کا کہنا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک قبر میں بچوں اور نبیوں سے سوال ہوں گے لیکن درست قول یہی ہے کہ نہیں ہوں گے۔۔۔۔۔

سوال:::عذاب قبر کو دلائل سے ثابت کریں۔۔۔۔

جواب:::اللہ پاک نے فرعونیوں کے بارے میں فرمایا:::

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّاۚ-وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ- اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ(46)

ترجمہ کنزالعرفان:::آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، (حکم ہوگا) فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔۔۔۔

یہاں قیامت کے دن سے پہلے ایک عذاب کا ذکر ہے اور اس سے مراد عذاب قبر ہے۔۔۔۔

پھر اس پہ کثیر احادیث وارد ہوئیں مثلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"" پیشاب کے قطروں سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے""،،ایک اور حدیث میں ہے"" قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گھڑوں میں سے ایک گھڑا""۔۔۔۔۔

سوال:::کون سی آیت قبر میں مردے سے سوال و جواب کے بارے میں نازل ہوئی؟؟؟

جواب:::یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِۚ

ترجمہ کنزالعرفان:::اللہ ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ثابت رکھتا ہے۔۔۔۔

سوال:::منکر نکیر کا رنگ کیسا ہوگا؟؟؟

جواب:::ان کا رنگ کالا ہوتا ہے اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں۔۔۔۔

سوال::::عذاب قبر اور آخرت کے بارے میں کس کثرت کے ساتھ دلائل ذکر ہوئے ہیں؟؟؟

جواب:::ان چیزوں کے بارے میں اتنے زیادہ دلائل ہیں حتیٰ کہ یہ متواتر معنوی تک پہنچ چکے ہیں۔۔۔۔

اعتراض:::روافض اور معتزلہ چونکہ عذاب قبر کو نہیں مانتے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میت ایک جامد چیز ہے اس میں کوئی زندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ کسی چیز کا ادراک کر سکتی ہے تو اسے عذاب کیسے ہو گا؟؟؟

جواب::: ممکن ہے اللہ پاک میت کے تمام اجزاء یا بعض اجزاء میں اس قدر ادراک کی صفت پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ عذاب اور نعمت کا مزا چکھ لے۔۔۔۔

اعتراض:::جب اللہ پاک میت میں ادراک پیدا کرنے کے لیے اسے دوبارہ حیات دے گا تو روح کا لوٹنا لازم آئے گا اور یوں دو مرتبہ موت کا وقوع ہو گا ایک مرتبہ دنیا میں اور ایک مرتبہ بعثت سے پہلے جو کہ قرآن کے خلاف ہے۔۔۔۔

جواب:::ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ روح واپس لوٹتی ہے بلکہ روح کا جسم سے ایک طرح کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے میت کو عذاب یا نعمت کا ادراک ہو گا۔۔۔۔

اعتراض:::پانی میں ڈوبے ہوئے شخص کو کیسے عذاب ہو سکتا ہے کیونکہ پانی میں تو آگ نہیں جلائی جا سکتی اسی طرح وہ شخص جسے جانور نے کھالیا اگر اسے عذاب ہو گا تو جانور جل جائے گا؟؟؟

جواب:::ہمارا کسی چیز کو نہ دیکھنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں،، یہ دنیا عجائبات سے بھری پڑی ہے جو غور کرے گا وہ ان چیزوں کا انکار نہیں کر سکے گا۔۔۔۔

سوال:::بعثت سے کیا مراد ہے؟؟؟ نیز اس کا حکم بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::بعثت کا مطلب ہے کہ اللہ پاک مردوں کے اصلی اجزاء جمع کر کے ان میں ارواح کو لوٹا کر قبروں سے اٹھائے گا۔۔۔۔

یہ اٹھایا جانا حق ہے،، قرآن کریم میں اللہ پاک کا فرمان ہے::: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

ترجمہ کنز العرفان::: پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔۔۔۔

سوال:::میزان کسے کہتے ہیں؟؟؟ نیز اس کا حکم بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::میزان اسے کہتے ہیں جس کے ذریعے اعمال کو تولا جائے گا اور یہ حق ہے جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

وَ الْوَزْنُ يَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ

ترجمہ کنز العرفان:::اور اس دن وزن کرنا ضرور برحق ہے۔۔۔۔

عقل اس کی کیفیت جاننے سے قاصر ہے۔۔۔۔

سوال:::معتزلہ میزان کا انکار کیوں کرتے ہیں نیز ان کارد کریں۔۔۔۔

جواب:::معتزلہ کہتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں اور ان کا وزن کرنا ممکن نہیں،، دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اعمال کی مقدار اللہ پاک کو معلوم ہے لہذا ان کا وزن کرنا فضول ہے۔۔۔۔

رد:::

نقلی رد:::حدیث مبارکہ ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:::اعمال کی کتابوں کا وزن کیا جائے گا۔۔۔۔

عقلی جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ پاک کی حکمت ہے جس پہ ہم مطلع نہیں لہذا یہ وزن کرنا فضول نہیں۔۔۔۔

سوال:::وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا مذکورہ بالا آیت میں کتاب سے مراد کون سی کتاب ہے؟؟؟

جواب:::اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں نیکیوں اور گناہوں کا ریکارڈ درج ہے،، بروز قیامت مومنین کو یہ اعمال نامہ سیدھے ہاتھ میں ملے گا اور کفار کو ان کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔۔۔۔

اور یہ اعمال نامہ حق ہے البتہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ جب اللہ پاک کو اعمال کے بارے میں معلوم ہے تو پھر لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟؟؟ ہمارا جواب وہی ہے جو گزر چکا کہ یہ فضول نہیں بلکہ اس میں بھی اللہ پاک کی حکمت ہے۔۔۔۔

سوال:::ماتن نے متن میں کتاب کا ذکر کیا ہے لیکن حساب کا ذکر کیوں نہیں کیا؟؟؟

جواب:::یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں جب کتاب کا ذکر کر لیا گیا تو حساب کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔

سوال:::قیامت کے دن مومنین اور کفار سے سوالات کرنے کی کیا کیفیت ہو گی؟؟؟

جواب:::نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:::

اللہ پاک مومن کو اپنے قریب کرے گا اور اپنا دست رحمت اس پہ رکھ کر اسے چھپا دے گا پھر فرمائے گا""کیا تم اس گناہ کو پہچانتے ہو کیا تم اس گناہ کو جانتے ہو؟؟؟""وہ عرض کرے گا جی ہاں اے میرے رب!!! یہاں تک کہ وہ جب اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرلے گا تو سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا پھر اللہ پاک فرمائے گا""میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے اور آج میں تیری مغفرت کر دوں گا"" پھر اسے اعمال نامہ دے دے گا۔۔۔۔

کفار اور منافقین کو ساری مخلوق کے سامنے ندا دی جائے گی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا،، ظالموں پہ اللہ کی لعنت ہو۔۔۔۔

سوال:::حوض کوثر کے اثبات پہ قرآن سے دلیل دیں۔۔۔۔

جواب:::إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ

سوال:::حوض کوثر کی کیفیت بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا""میرا حوض ایک مہینے کی مسافت جتنا بڑا ہے اور اس کے تمام کونے برابر ہیں،، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پیاری ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے زائد ہیں،، جو اس میں سے پیے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی""۔۔۔۔۔

سوال:::پل صراط کی کیفیت اور اس کے بارے میں اسلامی عقیدہ بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::پل صراط حق ہے یہ ایک پل ہے جسے جہنم کی پشت پہ بچھایا جائے گا وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے،، جنتی اسے عبور کر لیں گے جبکہ جہنمی اس میں گر جائیں گے۔۔۔۔

سوال:::کیا معتزلہ پل صراط کو مانتے ہیں؟؟؟

جواب:::جی نہیں،، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے گزرنا ممکن نہیں اور اگر گزرنا ممکن ہے تو وہ مومنین کے لیے ایک طرح سے عذاب ہوگا۔۔۔۔

ان کا جواب یہ ہے کہ اللہ پاک اس بات پہ قادر ہے کہ مومنوں کو آسانی سے پار کروا دے،، کچھ مومنین وہ ہوں گے جو بجلی کی طرح گزر جائیں گے کچھ تیز ہوا کی طرح گزریں گے۔۔۔۔۔

سوال:::جنت و جہنم کے بارے اسلامی عقیدہ واضح کریں۔۔۔۔

جواب:::جنت و جہنم حق ہیں اس پہ بے شمار دلائل موجود ہیں۔۔۔۔

سوال:::جنت و دوزخ کے منکرین اپنے دعوے پہ کیا دلیل دیتے ہیں؟؟؟

جواب:::وہ کہتے ہیں کہ اسلامی عقیدے کے مطابق جنت و دوزخ کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے اور ایسا عالم عناصر میں ہونا محال ہے اور عالم افلاک میں ایسا ہونا خرق کو لازم کرے گا جو کہ باطل ہے۔۔۔۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ و دلیل باطل ہے اس کی اصل فاسد ہے۔۔۔۔

سوال:::کیا جنت و دوزخ اب موجود ہیں؟؟؟

جواب:::جی ہاں جنت و دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں انہیں قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا۔۔۔۔

ہماری دلیل حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کا قصہ ہے کہ انہیں جنت میں رکھا گیا اور اس کے بعد مزید دلائل موجود ہیں:::

جنت کے بارے میں اللہ پاک کا فرمان ہے:::أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِينَ (133)

ترجمہ:::وہ متقین کے لیے تیار کر دی گئی۔۔۔۔

جہنم کے بارے میں ہے:::أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

ترجمہ:::وہ کفار کے لیے تیار کر دی گئی۔۔۔۔

اعتراض:::جنت کے بارے میں اللہ پاک کا فرمان ہے:::تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

تو آپ کیسے کہ سکتے ہیں کہ جنت کو پیدا کیا جا چکا؟؟؟

جواب:::یہاں فعل مضارع """نجعل""" محض مستقبل کے لیے خاص نہیں بلکہ مضارع حال پہ بھی دلالت کرتا ہے،،اگر معتزلہ یہاں استقبال کا معنی مراد لیں گے تو ہم حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں رہنے کی دلیل پیش کر دیں گے۔۔۔۔۔

اعتراض:::اگر جنت پیدا کی جا چکی ہے تو اس کے پھلوں کا ہلاک ہونا ممکن نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے """اس کے کھانے ہمیشہ رہیں گے"""،،جبکہ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے """اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے"""تو یوں دونوں آیات میں تعارض آ گیا۔۔۔۔

جواب:::جنت کے پھلوں کا بعینہ دوام ممکن نہیں،،اس آیت میں دوام سے مراد وہ دوام ہے کہ جب ایک چیز فناء ہو جائے گی تو اس کا بدل وہاں آ جائے گا اور یہ دوام لمحہ بھر کی ہلاکت کے منافی نہیں،،اور دوسری بات یہ ہے کہ ہلاکت کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی چیز بلکل فناء ہو جائے بلکہ کسی چیز کا قابل انتفاع نہ رہنا بھی ہلاکت کہلاتا ہے تو ممکن ہے جنت کے پھل فناء نہ ہوں بلکہ لمحہ بھر کے لیے قابل انتفاع نہ رہیں تو یوں دونوں آیات میں تطبیق ممکن ہے۔۔۔۔

سوال:::کیا جنت و دوزخ فناء ہو جائیں گی؟؟؟

جواب:::جی نہیں بلکہ یہ اور ان کے رہنے والے ہمیشہ باقی رہیں گے جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔

ترجمہ:::وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔۔۔۔

سوال:::کون سا فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ جنت و دوزخ اور اس کے رہنے والے فناء ہو جائیں گے؟؟؟

جواب:::جہمیہ فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے لیکن ان کا عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔۔۔۔

سوال:::کبیرہ گناہ کتنے اور کون سے ہیں؟؟؟

جواب:::حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ 9 ہیں:::

(1) اللہ کے ساتھ شریک بنانا (2) کسی کو ناحق قتل کرنا (3) پاک دامن عورت کو تہمت لگانا

(4) زنا کرنا (5) میدان جہاد سے بھاگنا (6) جادو کرنا

(7) یتیم کا مال کھانا (8) مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا (9) حرم میں گناہ کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دسویں گناہ کا اضافہ کیا"" "سود کھانا"""

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مزید دو گناہ شامل فرمائے"" "چوری کرنا اور شراب پینا"" ----

یعنی حضرت ابن عمر کے نزدیک کبیرہ گناہوں کی تعداد 9، حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک 10 اور مولا علی کے نزدیک 12 ہے----

سوال::: کبیرہ گناہ کی تعریف کریں----

جواب::: مختلف تعریفات کی گئی ہیں::: بعض نے کہا کہ ہر وہ گناہ جس کا فساد مذکورہ بالا گناہوں جیسا یا ان سے زائد ہے وہ گناہ کبیرہ ہے----

بعض کا کہنا ہے کہ وہ گناہ جس پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی وعید فرمائی کبیرہ گناہ ہے----

بعض کا کہنا ہے کہ ہر وہ گناہ جس پہ اصرار کیا جائے کبیرہ ہے اور جس سے توبہ کر لی جائے صغیرہ ہے----

سوال::: صاحب کفایہ نے کبیرہ اور صغیرہ گناہ کی کیا تعریف فرمائی ہے؟؟؟

جواب::: آپ فرماتے ہیں کہ ان کی کوئی خاص تعریف نہیں ہر وہ گناہ جس کا اس سے چھوٹے کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو وہ کبیرہ ہے مثلاً کسی کا سر پھاڑنا کسی کو تھپڑ مارنے کے مقابلے میں کبیرہ ہے اور ہر وہ گناہ جس کا اس کے بڑے کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو وہ صغیرہ ہے مثلاً تھپڑ مارنا سر پھاڑنے کے مقابلے میں صغیرہ ہے----

خلاصتہ یہ ہے کہ کبیرہ سے مراد وہ گناہ ہے جو کفر نہیں----

سوال::: کیا مومن کبیرہ گناہ کرنے سے مومن نہیں رہے گا؟؟؟

جواب::: جی نہیں وہ مومن ہی رہے گا کیونکہ وہ ایمان کی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ نہ کافر ہوتا ہے اور نہ مومن بلکہ ایمان و کفر کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ ان کے ہاں عمل ایمان کا جزء ہے جو جب برا عمل کرے گا تو ایمان سے نکل جائے گا اور کفر میں بھی داخل نہیں ہو گا کیونکہ اس نے ان چیزوں کی تکذیب نہیں کی جن پہ ایمان لانا ضروری ہے-----

سوال::: خوارج کا مرتکب کبیرہ کے حوالے سے کیا مؤقف ہے؟؟؟

جواب::: خوارج کے نزدیک کبیرہ اور صغیرہ دونوں کا مرتکب کافر ہے ان کے نزدیک کفر و ایمان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں----

سوال::: مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا،، اہل سنت کے اس دعویٰ پہ دلائل دیں----

جواب::: شارح نے اس پہ تین دلائل دیئے ہیں:::

(1) ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے محض شہوت یا کسی اور وجہ سے کبیرہ گناہ کرنا اس تصدیق قلبی کے منافی نہیں ہے کوئی شخص ایمان سے تبھی خارج ہو گا جب اس تصدیق کے خلاف کوئی کام کرے گا مثلا کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا وغیرہ،، اس کے علاوہ وہ اعمال جنہیں شارع علیہ السلام نے تکذیب کی نشانی قرار دیا ان کے کرنے سے بھی انسان دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا مثلا بت کو سجدہ کرنا، مصحف شریف کو گندگی پہ پھینکنا وغیرہ۔۔۔۔

(2) قرآن و حدیث میں گنہگار مسلمان پہ مومن کا اطلاق کیا گیا ہے مثلا:::

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔۔۔۔

(3) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر اب تک امت کا اجماع ہے کہ اگر اہل قبلہ میں سے کوئی شخص توبہ کیے بغیر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور اس کے لیے استغفار کی جائے گی تو ثابت ہوا گنہگار مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔۔۔۔

اعتراض::: اگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے تو پھر یہ اعمال مثلا بت کو سجدہ کرنا اور قرآن پاک کو گندگی میں پھینکنا وغیرہ کسی شخص کو کافر کیوں بنا دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: کیونکہ یہ گناہ تکذیب کی علامات ہیں جب یہ پائے گئے تو تصدیق قلبی ختم ہو جائے گی۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ اپنے مؤقف پہ کیا دلائل پیش کرتے ہیں نیز ان کا رد لکھیں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کے دو دلائل ذکر کیے گئے ہیں:::

دلیل نمبر 1::: امت اس بات پہ متفق ہے کہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے لیکن اس کے بعد اختلاف ہو جاتا ہے،، اہل سنت کہتے ہیں وہ مومن ہے، خوارج کہتے ہیں وہ کافر ہے اور امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ منافق ہے تو ہم نے مختلف فیہ کو چھوڑ دیا اور متفق کو اختیار کر کے یہ مؤقف اپنا لیا کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر اور نہ منافق بلکہ فاسق ہے۔۔۔۔

رد::: معتزلہ کا یہ قول سلف کے خلاف ہے کیونکہ اسلاف کے نزدیک ایمان و کفر کے درمیان کوئی مرتبہ نہیں۔۔۔۔

دوسری دلیل::: مرتکب کبیرہ مومن نہیں ہوتا کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا

اس آیت میں فاسق کو مومن کے مقابلے میں لایا گیا ہے اور مقابلے پہ لانا مغایرت کی دلیل ہے تو ثابت ہوا مرتکب کبیرہ مومن نہیں،،اس کے علاوہ ایک حدیث بھی دلیل ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت میں خیانت کرنے والے اور زنا کرنے والے سے ایمان کی نفی کی ہے۔۔۔۔

اسی طرح مرتکب کبیرہ کافر بھی نہیں کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو اس پہ مرتدین کے احکامات لاگو ہوتے جبکہ ایسا نہیں ہوتا تو ثابت ہوا ایمان اور کفر کے درمیان کوئی درجہ ہے۔۔۔۔۔

رد::: آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے اور احادیث میں زجر و توبیخ میں مبالغہ کرتے ہوئے ایسا فرمایا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ پڑھنے والے کو جنتی قرار دیا تو حضرت ابوذر نے دریافت کیا کہ اگرچہ وہ چوری کرے زنا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا"""اگرچہ وہ چوری کرے اور زنا کرے""۔۔۔۔۔

سوال:::خوارج کے نزدیک گناہ کرنے والا کافر ہے اس پہ قرآن وحدیث سے وہ کیا دلیل دیتے ہیں؟؟؟ایک ایک دلیل نقل کریں۔۔۔۔

جواب::: قرآن سے دلیل::: اللہ پاک نے فرمایا:::وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ(44)

ترجمہ کنزالعرفان:::اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا تو وہی لوگ کافر ہیں۔۔۔۔

اس آیت میں اللہ پاک کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔

حدیث سے دلیل:::نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"""جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی وہ کافر ہو گیا"""۔۔۔۔

چونکہ نماز چھوڑنا ایک گناہ ہے لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھوڑنے والے کو کافر قرار دے دیا۔۔۔۔۔

سوال:::خوارج کے پیش کیے گئے دلائل کا رد کریں۔۔۔۔

جواب:::خوارج کے پیش کردہ دلائل اپنے ظاہری معنی پہ محمول نہیں ہیں کیونکہ قرآن وحدیث میں کثیر دلائل موجود ہیں کہ گناہ کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا اور اس پہ امت کا اجماع بھی ہے۔۔۔۔

سوال:::خوارج اس چیز کو مانتے ہیں کہ گناہ کا مرتکب کافر ہے جبکہ آپ نے کہا کہ ایسے شخص کے مسلمان ہونے پہ امت کا اجماع ہے تو خوارج کو اس اجماع میں شامل کیے بغیر یہ اجماع کیسے منعقد ہو سکتا ہے؟؟؟

جواب:::خوارج اپنے عقائد و نظریات کی وجہ سے اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں لہذا ان کا اختلاف کرنا اس اجماع کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔۔۔۔

سوال:::کس گناہ کی معافی نہیں ہو سکتی؟؟؟

جواب::: شرک کی معافی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔

سوال::: کیا شرک کی معافی عقلا ممکن ہے ؟؟؟

جواب::: بعض متکلمین کا کہنا ہے کہ شرک کی معافی عقلا ممکن تو ہے البتہ واقع نہیں جبکہ بعض کے نزدیک عقلا بھی ممکن نہیں کیونکہ اللہ پاک حکمت والا ہے اور اس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اچھے اور برے کے درمیان فرق کیا جائے اور کفر تو سب سے بڑا جرم ہے لہذا اس کی معافی کا کوئی احتمال نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ کافر خود کو سچا گمان کرتا ہے تو اسے معافی دینا عقلا کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟؟؟ اور تیسری بات یہ ہے کہ کافر کا اعتقاد ابدی ہے تو اسے سزا بھی ابدی ہونی چاہیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔۔

سوال::: کیا بغیر توبہ کیے گناہ کی معافی مل سکتی ہے ؟؟؟

جواب::: صغیرہ گناہ تو بغیر توبہ سے بالاتفاق معاف ہو سکتا ہے البتہ کبیرہ گناہ کی معافی میں اختلاف ہے،، اہل سنت کہتے ہیں کہ بغیر توبہ کے معاف ہو سکتا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ توبہ کرنا ضروری ہے اگر بغیر توبہ کیے مر گیا تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔۔۔۔

اہل سنت کے پاس اپنے مؤقف پہ کثیر دلائل ہیں جبکہ معتزلہ کہتے ہیں ان دلائل سے مراد صغیرہ گناہ ہیں نہ کہ کبیرہ۔۔۔۔

اعتراض::: معتزلہ کی جانب سے پہلا اعتراض ہے کہ اگر اللہ پاک کبیرہ گناہ بغیر توبہ کیے معاف کر دے تو وہ آیات واحادیث جو گنہگار کی وعید کے بارے میں آئی ہیں ان کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔۔۔۔

جواب::: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وعیدات والی آیات واحادیث عام ہیں بلکہ وہ خاص ہیں اور وہاں سے کفار اور بعض گنہگار مسلمان مراد ہیں،، اگر ہم ان آیات کے عموم کو تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ گنہگار مسلمانوں کو لازمی طور پر سزا ہو کر رہے گی بلکہ اس کا مطلب ہے کہ سزا ہو سکتی ہے اور یہ آیات وہ عام ہیں جن سے بعض کو خاص کیا گیا ہے یعنی بعض گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا،، چنانچہ اللہ پاک کا فرمان ہے::: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

ترجمہ کنزالعرفان::: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کے مذکورہ بالا اعتراض کا بعض متکلمین نے کیا جواب دیا ہے نیز شارح نے اس کا کیا رد کیا ہے ؟؟؟

جواب::: بعض متکلمین کا کہنا ہے کہ اگرچہ اللہ پاک نے وعید ارشاد فرمائی ہے لیکن جب وہ ان وعیدات کا خلاف کرتے ہوئے گنہگاروں کو بخش دے گا تو یہ اس کا کرم ہو گا۔۔۔۔

شارح اس جواب کا رد کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ پاک کی بات بدل نہیں سکتی اور اللہ پاک اپنی بات کے خلاف نہیں جا سکتا چنانچہ اللہ پاک کا فرمان ہے::: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ

ترجمہ کنزالعرفان::: میرے ہاں بات بدلتی نہیں۔۔۔۔

اعتراض::: معتزلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب گنہگار کو پتا چلے گا کہ میرے گناہ پہ سزا نہیں ملے گی تو یوں وہ گناہوں پہ دلیر ہو جائے گا اور یہ بات انبیاء کو مبعوث کرنے کے منافی ہے۔۔۔۔

جواب::: یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ گناہ کی یقینی طور پر معافی ملے گی بلکہ ہم محض جواز کے قائل ہیں اور معافی کے جواز کا قائل ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ ہم یقینی طور پر معافی کے قائل ہیں،، اور مزید یہ کہ جس شدت کے ساتھ وعیدات ذکر کی گئی ہیں ان سے زیادہ چانس یہی نکلتے ہیں کہ سزا واقع ہو گی۔۔۔۔۔

سوال::: کیا صغیرہ گناہ پہ بھی سزا ملے گی؟؟؟

جواب::: اہل سنت کے نزدیک صغیرہ گناہ پہ سزا ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا

ترجمہ کنزالعرفان::: اس نے ہر چھوٹے اور بڑے گناہ کو گھیرا ہوا ہے

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ صغیرہ گناہوں کو بھی لکھا جاتا ہے تو ان کو لکھنے کا مقصد سزا دینا ہی ہے لہذا سزا ہو سکتی ہے البتہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر بندہ کبائر سے بچے تو اسے صغیرہ گناہ پہ سزا نہیں دی جائے گی۔۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ اپنے مؤقف پہ کیا دلیل دیتے ہیں نیز ان کا رد لکھیں۔۔۔۔

جواب::: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ

ترجمہ کنزالعرفان::: اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے دوسرے گناہ بخش دیں گے۔۔۔۔۔

اس آیت میں لفظ """کبائر""" جمع ہے جو تمام کبیرہ گناہوں کو شامل ہے تو ثابت ہوا جو کبیرہ گناہوں سے بچے گا اسے صغیرہ گناہوں پہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔۔۔۔

رد::: مطلقاً کبیرہ گناہ """کفر""" ہے اور کفر کی کئی انواع ہیں اس لیے لفظ کبائر جمع لائے تاکہ کفر کی تمام انواع شامل ہوں نہ کہ تمام کبیرہ گناہ اور معنی یوں بنے """اگر تم کفر کی تمام انواع سے بچو گے """،، دوسرا جواب یہ ہے کہ """تجتنبوا""" جمع کا صیغہ ہے اور کبائر بھی جمع ہے تو قاعدہ کے مطابق ایک جمع کے افراد دوسری جمع کے افراد پہ تقسیم ہونے کا تقاضا کرتے ہیں تو مطلب یہ بنے گا کہ """اگر تم سب لوگ کفر سے بچو گے """۔۔۔۔ یہاں سے وہ معنی ثابت نہیں ہوتا جو معتزلہ کرتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: کیا کبیرہ گناہ کی معافی ممکن ہے؟؟؟

جواب::: جی ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ اسے حلال جان کر نہ کیا ہو اگر حلال جان کر کریں گے تو یہ کفر ہو گا کیونکہ اس میں تکذیب پائی جا رہی ہے جو کہ تصدیق کے منافی ہے۔۔۔۔۔

اور وہ آیات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار مومن ہمیشہ جہنم میں رہیں گے وہاں سے بھی یہی مراد ہے کہ اگر وہ گناہ کو حلال سمجھ کر کریں گے تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔۔۔۔۔

سوال::: پیچھے ماتن کبیرہ گناہ کی مغفرت کا ذکر کر چکے ہیں یہاں دوبارہ ""والعفو عن الکبیرۃ"" کے الفاظ کہ کر کبیرہ سے معافی کا ذکر کیوں کیا؟؟؟

جواب::: ماتن یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح گناہ پہ مواخذہ نہ کرنے کو مغفرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح ""عفو"" سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: شفاعت کے حوالے سے اہل سنت و معتزلہ کا مؤقف واضح کریں۔۔۔۔

جواب::: اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام اور نیک لوگ گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور یہ ثابت ہے،، پیچھے ہم یہ ثابت کر کے آئے ہیں کہ بغیر شفاعت کے گناہوں کی بخشش ہو سکتی ہے تو پھر شفاعت سے بدرجہ اولی ہو سکتی ہے۔۔۔۔

معتزلہ کے نزدیک جس طرح شفاعت کے بغیر مغفرت نہیں ہو سکتی اسی طرح شفاعت کے ساتھ بھی مغفرت نہیں ہو سکتی۔۔۔۔

سوال::: اہل سنت شفاعت کے ثبوت پہ کیا دلائل دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: شارح نے اہل سنت کے مؤقف پہ دو قرآنی آیات اور ایک حدیث پیش کی ہے جو درج ذیل ہے:::

(1) وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ‌ؕ

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اے حبیب!!! اپنے خاص غلاموں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔۔۔۔

(2) فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَؕ‏

ترجمہ::: پس کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔۔۔۔

اس آیت میں ہے کہ کفار کو شفاعت نفع نہ دے گی تو اس سے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو شفاعت نفع دے گی۔۔۔۔

حدیث::: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ""میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔۔۔۔

اعتراض::: آپ لوگ مفہوم مخالف کو نہیں مانتے لیکن مذکورہ بالا سوال میں قرآن کی دوسری آیت سے آپ مفہوم مخالف کے ذریعے مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت کر رہے تھے۔۔۔۔۔

جواب::: وہاں مفہوم مخالف کے ذریعے نہیں بلکہ کلام کے سیاق وسباق کے لحاظ سے شفاعت ثابت کی گئی ہے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ شفاعت کی نفی پہ کیا دلائل دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: معتزلہ کی جانب سے دو آیات پیش کی جاتی ہیں:::

(1)وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

ترجمہ کنزالعرفان:::اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے بدلہ نہ دے گی اور نہ کوئی سفارش مانی جائے گی۔۔۔۔

(2)مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ

ترجمہ کنزالعرفان::: ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کی پیش کردہ آیات کے جوابات لکھیں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کی پیش کردہ آیات کفار کے لیے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے لیے جبکہ ہم تو مسلمانوں کے لیے شفاعت کے ثبوت کی بات کر رہے تھے۔۔۔۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ ان آیات سے کفار اور مسلمان سب مراد ہیں تو ہم اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ آیت قیامت کے تمام احوال کو شامل ہے((قیامت کے دن کئی احوال ہوں گے بعض احوال میں شفاعت ہو سکے گی اور بعض میں نہیں،، اگر آیت سے مراد تمام مسلمان اور کفار ہیں تو پھر یہاں سے بعض احوال مراد ہیں کہ بعض احوال میں مسلمانوں اور کفار کی شفاعت نہیں ہو سکے گی جبکہ بقیہ احوال میں مسلمانوں کی شفاعت ہو جائے گی))۔۔۔۔۔

سوال:::عبارت""ولماکان اصل العفو والشفاعۃ ثابتا"" اس عبارت سے شارح معتزلہ کے دو دعوے اور ان کا رد ذکر کیا ہے اسے سپرد قلم کریں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کبیرہ گناہوں سے توبہ کر لی یا وہ شخص جو محض صغیرہ گناہ کرتا ہے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔۔۔۔۔

معتزلہ کی یہ بات باطل ہے کیونکہ معاف اسے کیا جاتا ہے جو عذاب کا مستحق ہو جب معتزلہ کے نزدیک یہ لوگ عذاب کے مستحق ہی نہیں تو پھر معافی کا کیا مطلب؟؟؟

دوسری بات معتزلہ یہ کرتے ہیں کہ شفاعت گناہگاروں کی بخشش کے لیے نہیں ہوگی بلکہ نیک لوگوں کے ثواب میں زیادتی کے لیے ہوگی۔۔۔۔

معتزلہ کی یہ بات بھی باطل ہے کیونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ شفاعت جرم سے معافی کے لیے ہوتی ہے۔۔۔۔

سوال:::کیا کبیرہ گناہ کا مرتکب مومن ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟؟؟

جواب::: اہل سنت کے نزدیک وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ سزا بھگت کر جنت میں ضرور داخل ہو گا جبکہ معتزلہ کہتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔۔۔

سوال::: اہل سنت اپنے اس مؤقف پہ کیا دلیل دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: اہل سنت کے تین دلائل شارح نے نقل کیے ہیں:::(1) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه

ترجمہ کنزالعرفان::: توجو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔۔۔

ایمان لانا خود ایک عمل خیر ہے تو اس آیت کے مطابق اس کی جزاء ملنی چاہیے،، اب جزاء کی دو صورتیں ہو گی یا تو اسے کچھ عرصہ جنت میں رکھ کر پھر دوزخ میں بھیج دیا جائے جبکہ ایسا ہونا ممکن نہیں کیونکہ جنت میں جانے والا کبھی اس سے باہر نہیں نکلے گا،، دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ جہنم میں رکھ کر پھر جنت میں بھیج دیا جائے اور یہی صورت درست ہے۔۔۔

(2) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

ترجمہ کنزالعرفان::: اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔۔۔

(3) جہنم میں ہمیشہ رہنا سب سے بڑی سزا ہے اور یہ سزا سب سے بڑے جرم یعنی صرف کفر کے بدلے میں ملے گی اگر مومن کو یہ سزا دی جائے تو یہ عدل نہ ہو گا۔۔۔

سوال::: معتزلہ کن دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟؟؟

جواب::: معتزلہ دو دلائل دیتے ہیں:::

(1) کبیرہ گناہ کا مرتکب عذاب کا مستحق ہے اور عذاب دائمی تکلیف کا نام ہے جبکہ ثواب دائمی منفعت کا نام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص پہلے عذاب جھیلے اور پھر جنت میں جائے؟؟؟

رد::: معتزلہ کی دوام کی قید درست نہیں کیونکہ ثواب اللہ پاک کا فضل ہے اور عذاب دینا اس کا عدل ہے چاہے تو معاف کر دے یا سزا دے کر جنت میں داخل کر دے یہ اس کے اختیار میں ہے۔۔۔

(2) معتزلہ نقلی دلائل کے طور پر کچھ قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:::

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کو قتل کرنے والا شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔۔۔

رد::: یہ آیت اور اس کی طرح کی جتنی بھی آیات ہیں یہ سب کفار کے لیے نازل ہوئی ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو مومن ہونے کی وجہ سے قتل کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور یہ بات بلکل ظاہر ہے کہ ایسا کرنے والا شخص اگر مومن تھا تو ((کسی مومن کو مومن ہونے کی وجہ سے قتل کرنے کی بناء پہ)) کافر ہو جائے گا۔۔۔۔۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیت مسلمانوں کے بارے میں ہے تو ہیشگی کا مطلب عرصہ دراز تک رہنا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: لفظ "" ایمان "" کی لغوی تحقیق اور اس کا معنی بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی خبر دینے والے کی خبر کو یقین کے ساتھ قبول کر لینا۔۔۔۔

یہ باب افعال کا مصدر ہے،، کبھی کبھی لام کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ پاک کا فرمان ہے "" وما انت بمومن لنا "" اور کبھی کبھی "" باء "" کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلا حدیث مبارکہ میں ہے "" الا یمان ان تومن باللہ "" ۔۔۔۔۔

سوال::: اگر ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تو پھر کفار مکہ کو بھی مومن کہنا چاہیے کیونکہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا جانتے تھے۔۔۔۔

جواب::: تصدیق صرف یقین کیے بغیر کسی چیز کے دل میں آنے کا نام نہیں بلکہ مخبر کی خبر کو سچ جاننے کے ساتھ اسے سچ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ امام غزالی نے صراحت کی ہے۔۔۔۔

سوال::: فارسی میں تصدیق کو کس لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے ؟؟؟

جواب::: فارسی میں تصدیق کو "" بگرویدن "" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔۔

منطق میں تصور تصدیق کی جو بحث کی جاتی ہے اس میں بھی یہی تصدیق مراد ہے۔۔۔۔

سوال::: بعض کفار تصدیق کے ساتھ ساتھ تسلیم بھی کرتے تھے پھر بھی انہیں کافر کیوں کہا گیا ؟؟؟

جواب::: کیونکہ ان میں تکذیب کی علامات پائی جاتی تھیں،، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا مانے اور سچا تسلیم کرے اس کے باوجود وہ زنار باندھے یا بتوں کو سجدہ کرے تو وہ کافر ہی شمار ہو گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چیزوں کو تکذیب کی علامت قرار دیا ہے۔۔۔۔

سوال::: ایمان کی شرعی تعریف کریں۔۔۔۔

جواب::: اجمالی طور پر دل سے ان تمام باتوں کی تصدیق کرنا جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کی طرف سے لے کر آئے۔۔۔۔

وہ کافر جو صانع کے وجود اور اس کی صفات کی تصدیق کرتا ہے وہ لغوی اعتبار سے مومن کہلائے گا نہ کہ شرعی اعتبار سے،، کیونکہ وہ توحید کی تصدیق کرنے والا نہیں،، اللہ پاک نے اپنے فرمان میں اسی جانب اشارہ فرمایا:::

وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ

ترجمہ کنزالعرفان::: اور ان میں اکثر وہ ہیں جو اللہ پر یقین نہیں کرتے مگر شرک کرتے ہوئے۔۔۔

سوال::: ایمان شرعی کے کتنے ارکان ہیں ؟؟؟

جواب::: اس کے دو ارکان ہیں:::

(1) تصدیق کرنا: یہ رکن کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتا اگر تصدیق نہ پائی جائے گی تو وہ شخص مومن نہیں کہلائے گا۔۔۔

(2) اقرار کرنا: اقرار احتمال کا سقوط رکھتا ہے اور یہ حالت اکراہ وغیرہ میں ساقط ہو جاتا ہے۔۔۔

اعتراض::: اگر ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں تو یہ تصدیق نیند اور غفلت کے وقت حاصل نہیں ہوتی لہذا اس حالت میں کسی شخص کو مومن نہیں کہنا چاہیے۔۔۔

جواب::: یہ تصدیق تب تک باقی رہتی ہے جب تک تکذیب کی کوئی علامت نہ پائی جائے اگرچہ نیند یا غفلت کی حالت میں یہ تصدیق باقی نہیں رہتی لیکن اس وقت تکذیب کی علامات بھی نہیں پائی جاتیں لہذا اسے مومن ہی کہیں گے۔۔۔

سوال::: ایمان تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے یہ کس کا مذہب ہے ؟؟؟

جواب::: یہ مذہب جو ابھی ذکر ہوا یہ بعض علماء مثلا امام شمس الائمہ اور فخر الاسلام وغیرہ کا ہے۔۔۔

سوال::: جمہور محققین ایمان کی تعریف کے حوالے سے کیا فرماتے ہیں ؟؟؟

جواب::: جمہور محققین کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار دنیا میں اسلامی احکام جاری ہونے کے لیے شرط ہے کیونکہ تصدیق ایک باطنی امر ہے تو اس کے لیے کسی علامت کا ہونا ضروری ہے لہذا اقرار کو علامت قرار دیا،، جو شخص دل سے تصدیق کرے لیکن زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ عند اللہ مومن ہے لیکن لوگوں کے نزدیک وہ مومن نہیں ہے اور اس پہ دنیاوی احکامات بھی جاری نہیں ہوں گے اور وہ شخص جو زبان سے اقرار کرے لیکن دل سے تصدیق نہ کرے تو وہ منافق ہے۔۔۔

سوال::: جمہور محققین کے دلائل لکھیں۔۔۔

جواب::: جمہور محققین اپنے مؤقف پہ چند دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں:::

(1) اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ

ترجمہ کنزالعرفان::: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔۔۔

(2) حضرت اسامہ ایک کافر کو قتل کرنے لگے تو اس نے ""لا الہ الا اللہ "" پڑھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"" کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا؟؟؟""۔۔۔۔

تو ان دلائل سے ثابت ہوا کہ ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے۔۔۔۔

سوال::: کرامیہ فرقہ کے نزدیک ایمان کس چیز کا نام ہے؟؟؟

جواب::: کرامیہ فرقے کے نزدیک ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے۔۔۔۔

سوال::: کرامیہ فرقے کے دلائل ذکر کریں۔۔۔۔

جواب::: یہ دو دلائل دیتے ہیں:::

(1) ایمان اگرچہ تصدیق کا نام ہے لیکن اہل لغت اس سے صرف تصدیق باللسان مراد لیتے ہیں تو ثابت ہوا ایمان محض اقرار باللسان کا نام ہے۔۔۔۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام ایسے شخص کو مومن سمجھتے تھے جو صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیتا تھا تو ثابت ہوا ایمان تصدیق قلبی کی بجائے اقرار باللسان کا نام ہے۔۔۔۔

سوال::: فرقہ کرامیہ کے پیش کردہ دلائل کا رد لکھیں۔۔۔۔

جواب::: پہلی دلیل کا رد::: اگر ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہوتا تو کسی شخص کے ""صَدَّقْتُ"" کہنے سے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والا شمار کر لیا جاتا جبکہ ایسا نہیں ہوتا،، اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض اقرار باللسان کرنے والوں کے ایمان کی نفی خود قرآن میں کی گئی ہے چنانچہ فرمان الہی ہے:::

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ کنزالعرفان::: اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔۔۔۔

دوسری دلیل کا رد::: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کلمہ پڑھنے والے کو اس لیے مومن سمجھتے تاکہ اس پہ دنیاوی احکامات جاری ہو جائیں،، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح کلمہ پڑھنے والے کو مسلمان سمجھتے تھے اسی طرح بعض کلمہ گو کو منافق بھی سمجھتے تھے تو ثابت ہوا ایمان صرف اقرار باللسان کا نام نہیں اور دوسری بات یہ کہ اگر ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے تو گونگا شخص مومن نہیں کہلائے گا۔۔۔۔

سوال:::جمہور محدثین، متکلمین اور فقہاء کرام کے نزدیک ایمان کیا ہے؟؟؟

جواب:::ان کے نزدیک ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔۔۔۔

سوال:::ماتن اور شارح نے ان کے مذہب کا کس طرح رد کیا ہے؟؟؟

جواب:::ماتن فرماتے ہیں کہ اعمال میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جبکہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی تو ثابت ہوا کہ عمل ایمان کے لیے ضروری نہیں۔۔۔

اس بات کی شارح نے تشریح فرمائی اور مزید دلائل دیئے جو کہ درج ذیل ہیں:::

یہاں دو باتیں ہیں،،ایک یہ کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اور دوسری بات یہ کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔۔۔۔

سوال:::شارح نے اس بات کو کس طرح ثابت کیا ہے اعمال ایمان میں داخل نہیں؟؟؟کوئی سی ایک دلیل دیں۔۔۔

جواب:::شارح نے قرآنی آیات پیش کی ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے:::اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اس آیت میں عمل کا ایمان پہ عطف ہوا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے((یعنی عطف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف علیہ معطوف کا غیر ہے))تو ثابت ہوا عمل اور ایمان دو الگ الگ اشیاء ہیں۔۔۔

سوال:::""ولا یخفی ان ھذہ الوجوہ انما تقوم حجۃ علی من یجعل الطاعات رکنا من حقیقۃ الایمان""اس عبارت سے شارح کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟؟؟

جواب:::شارح فرما رہے ہیں کہ جمہور محدثین اور متکلمین کے خلاف جو اوپر دلائل ذکر ہوئے یہ صرف ان کے لیے ہیں جو عمل کو ایمان کا رکن قرار دیتے ہیں مثلا معتزلہ وغیرہ اور وہ لوگ جس عمل کو ایمان کامل کا رکن قرار دیتے ہیں((یعنی عمل نہ کرنے سے انسان مومن تو رہتا ہے لیکن کامل مومن نہیں رہتا))مثلا امام شافعی وغیرہ ان لوگوں کے خلاف یہ دلائل نہیں ہیں۔۔۔۔

اعتراض:::آپ نے کہا ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی جبکہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے کیونکہ کئی ایسی آیات ہیں جن کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ آیات سن کر مسلمانوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی تھی۔۔۔۔

جواب:::امام اعظم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت احکامات آہستہ آہستہ نازل ہو رہے تھے تو جوں جوں احکامات بڑھتے جاتے تھے صحابہ کرام کا ایمان زیادہ ہوتا جاتا تھا اور جب دین مکمل ہو گیا تو صحابہ کا ایمان بھی مکمل ہو گیا اور پھر اس میں کمی بیشی نہ ہو سکی۔۔۔۔شارح رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم کے اس جواب کو درست نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی اسلامی احکامات پہ اطلاع نہ ہونا ممکن ہے،،پھر اپنی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ جس ایمان میں اضافے کی بات ہو رہی ہے وہ ایمان

مومن بہ کے اعتبار سے ہے یعنی جیسے جیسے مومن بہ میں اضافہ ہوتا جائے گا تو ایمان میں اضافہ ہوتا جائے گا اور یہ چیز صرف صحابہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آج بھی موجود ہے۔۔۔۔۔

شارح نے اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ یہاں ایمان کے ثمرات میں اور اس کے نور میں اضافہ مراد ہے۔۔۔۔

سوال::: قاضی عضد الدین حقیقتِ ایمان میں کمی بیشی کے حوالے سے کیا فرماتے ہیں ؟؟؟

جواب::: آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت میں قوت وضعف کے اعتبار سے کمی بیشی ہو سکتی ہے جیسا ایک امتی کا ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان جیسا نہیں ہو سکتا دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ پاک سے مردے زندہ کرنے کا عرض کیا اور یہ کہا تھا""میں اپنے قلب کے اطمینان کے لیے ایسا چاہتا ہوں""تو ثابت ہوا قوت وضعف کے اعتبار سے کمی بیشی ہو سکتی ہے۔۔۔۔

قاضی صاحب نے اس چیز سے ہٹ کر بات کی ہے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں کیونکہ ہماری بحث ایمان کی مقدار کی کمی زیادتی کی ہے جبکہ قاضی صاحب قوت وضعف کے اعتبار سے کمی بیشی کی بات کر رہے ہیں لہذا ہمارا موٴقف اپنی جگہ پہ قائم ہے۔۔۔۔

سوال::: قدریہ فرقے والے ایمان کی کیا تعریف کرتے ہیں ؟؟؟

جواب::: یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے جبکہ یہ موٴقف سراسر غلط ہے کیونکہ اہل کتاب اور کفار مکہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل تھی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے تو ثابت ہوا ایمان محض معرفت کا نام نہیں ہے۔۔۔۔

سوال::: تصدیق اور معرفت میں کیا فرق ہے ؟؟؟

جواب::: بعض مشائخ کا کہنا ہے مخبر سے حاصل ہونے والے علم کے ساتھ دل کو جوڑنے کا نام تصدیق ہے اور یہ ایک امر کسبی ہے مصدق کے اختیار سے ثابت ہوتا ہے،، اسی وجہ سے اس پہ اجر ملتا ہے اور رأس العبادات قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔

معرفت کسب کے بغیر بھی حاصل ہوتی ہے مثلاً کسی جسم کو دیکھ کر اس کے دیوار کا پتھر ہونے کی معرفت حاصل ہونا۔۔۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ اپنے اختیار سے سچائی کی نسبت مخبر کی طرف کرنے کا نام تصدیق ہے اور اگر یہ چیز بغیر اختیار کے حاصل ہو تو اسے معرفت کہتے ہیں۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ تصدیق ایک امر اختیاری ہے جبکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ تصدیق علم کی اقسام میں سے ہے اور علم کیفیات نفسانیہ کا نام ہے جو کہ غیر اختیاری ہیں۔۔۔۔

جواب:::ہم نفس تصدیق کو اختیاری نہیں مانتے بلکہ اسے ہم بھی غیر اختیاری سمجھتے ہیں،،ہمارا یہ قول کہ تصدیق اختیاری ہے اس سے مراد وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے تصدیق حاصل ہوتی ہے اور وہ اسباب اختیاری ہیں۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ ایمان کی تعریف معرفت کے ذریعے کرنا درست نہیں کیونکہ وہ کسبی نہیں ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسب کے ذریعے معرفت حاصل ہوگی تو پھر اسے ایمان کہہ سکتے ہیں؟؟؟

جواب:::جب معرفت کسب کے ذریعے حاصل ہوگی تو وہ معرفت نہیں رہے گی بلکہ تصدیق بن جائے گی جسے فارسی میں """بگرویدن""" کہتے ہیں۔۔۔۔